قرآن
آپ سے کیا کہتا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

حکمتِ قرآن اِنسٹیٹیوٹ

قرآن
آپ سے کیا کہتا ہے؟

یہ کتاب قرآنی دعوت و تعلیم کو، جو بلاشبہ پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے، اس سے ناآشنا اور بیگانہ مسلمانوں اور عام انسانوں تک عام فہم اور موثر پیرایہ میں پہنچانے کی ایک کوشش ہے۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ جو مسلمان یا غیر مسلم بھائی اس کا مطالعہ کریں گے اگر ان کی روح بالکل مردہ نہیں ہو چکی ہو گی تو انشاء اللہ وہ ضرور اس سے متاثر ہو کے رہیں گے

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

حکمتِ قرآن اِنسٹیٹیوٹ

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

از

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

اشاعت اول: 2011ء
کمپیوٹر لے آؤٹ: ندیم احمد سولنگی
طابع: ذکی سنز پرنٹرس کراچی
ناشر: حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ کراچی

ہدیہ: =/250روپے

ایڈریس:
حکمتِ قرآن اِنسٹیٹیوٹ
6 سندھی جماعت کوآپریٹو سوسائٹی، جوگی موڑ بس اسٹاپ
نیشنل ہائی وے کراچی۔75030
رابطے کیلئے 021-3500278
0300-2707097

web:www.hikmatequran.org

فہرست مضامین

مقدمہ ۷

دیباچہ ۱۵

خدا کی ہستی! ۱۹

خدا کی صفات ۲۶

اللہ تعالیٰ علیم کُل ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ۳۰

اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ ۳۲

وہی سب کا خالق ورازق اور پروردگار کارساز ہے ۳۴

اور وہی اپنے حکم سے اس کارخانۂ ہستی کو چلارہاہے ۳۴

وہی ساری کائنات کابادشاہ اور فرماں رواہے ،سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے ۳۷

کسی اور کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ۴۰

اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے ، 41

گناہوں کابخشنے والا اور توبہ قبول کرنیوالاہے ۴۱

اللہ کی رحمت اور مغفرت کے حقدار کون سے گنہگار ہیں ؟ ۴۷

اللہ تعالیٰ میں رحمت کے ساتھ عدالت بھی ہے ۴۸

تنزیہ وتقدیس ۵۱

قرآن مجید کی چند جامع الصفات آیات ۵۳

توحید ۵۷

توحید ذاتی اور توحیدِ الوہیت ۵۹

توحیدِ صفات وافعال ۶۰

ساری کائنات پر صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے ۶۲
نظام عالم کو قائم رکھنے والا صرف اللہ ہے ۶۴
صرف اللہ زندۂ جاوید ہے، باقی سب فانی ہیں ۶۴
صرف اللہ ہی عالم الغیب اور علیم کُل ہے ۶۵
توحیدِ حقوق ۶۶
صرف اللہ ہی لائق حمد وستائش ہے ۶۶
اللہ ہی سب سے زیادہ محبت اور خوف کے قابل ہے ۶۷
وہی توکُل اور آسرا لگانے کے قابل ہے ۶۷
وہی حاکم ہے اور اسی کا حکم واجب العمل ہے ۶۸
توحید کے بارے میں قرآن مجید کا سب سے اہم مطالبہ ۶۸
توحید کا آخری تکمیلی سبق ۷۶
شرک اور مشرکین کی سخت مذمت اور ان سے اعلان بیزاری ۸۰

آخرت ۸۳

آخرت کیوں ضروری ہے؟ ۸۴
آخرت کے ضروری ہونے پر قرآن مجید کی ایک دوسری دلیل ۸۶
آخرت کے بارے میں جاہلانہ و احمقانہ شبہات اور شیطانی وساوس ۸۹
منکرین آخرت کے بے بنیاد شبہات کا جواب ۹۱
آخرت میں کیا کیا ہونے والا ہے؟ ۹۵
آخرت کی منزلیں ۹۵

جنت اور دوزخ ۱۰۲

جنت ۱۰۶

نبوت ورسالت ۱۱۰

مجرم اور نافرمان سمجھا جائے گا اور اللہ کی محبت وعنایت اور نجات سے محروم رہے گا. ۱۱۵

نبی کی حیثیت اور مقام نبوت ۱۱۸

تفریط اور بے ادبی کی گمراہی ۱۱۸

افراط اور غلو کا فتنہ ۱۲۴
خداوندی ہدایت کی اطاعت وپیروی ۱۳۰
عمل صالح ۱۳۳
ضروری انتباہ ۱۳۸
تقویٰ ۱۳۹
تقویٰ ہی اصل نیکی اور عمل صالح کی روح ہے ۱۴۴
تقویٰ کی نشانیاں اور اہل تقویٰ کے اوصاف ۱۵۰
خدا کی عبادت ۱۵۵
عبادت کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں : ۱۵۵
بندوں کی خدمت اور حسنِ سُلوک ۱۶۵
اہل وعیال ۱۶۸
عام انسانوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک ۱۶۹
اسلامی برادری کے خاص حقوق ۱۷۲
اخلاقِ حَسَنہ ۱۷۵
صبر ۱۷۵
صبر والوں کا انجام اور مقام ۱۷۸
سچائی اور راست بازی ۱۷۹
وفائے عہد ۱۸۳
امانت ۱۸۵
عدل وانصاف ۱۸۶
سماحت وسخاوت ۱۸۹
ایثار ۱۹۴
بخل ۱۹۴
استغناء وقناعت ۱۹۵

توکل ۱۹٦
تواضع ۱۹۷
تکبر اور غرور ۱۹۹
حلم اور درگزر ۲۰۱
جرأت وشجاعت ۲۰۴
وقار وخودداری ۲۰٦
حیا اور عفت ۲۰۷
طہارت وپاکیزگی ۲۱۰
معاملات میں پاکبازی اور اکل حلال ۲۱۱
حق اور نیکی کو پھیلانے اور عام کرنے کی جدوجہد اور اس راہ میں جانبازی ۲۱٦
قرآنی خطبات ومواعظ ۲۲۲
بندوں کو ان کے مالک کا بلاوا جنت اور رحمت کی طرف ۲۲۳
دین کے بنیادی احکام اور نصائح ۲۲۴
اللہ کی بات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا انجام ۲۲۵
سرکش مجرموں کو سخت انتباہ اور قیامت میں ان کا انجام ۲۲٦
دین کی بنیادی ہدایتیں اور خداوندی احکام ۲۲۸
امت مسلمہ کے خاص فرائض اور اس کا نصب العین ۲۳۱
اپنے گناہگار بندوں کو اللہ کا بلاوا اور نہ ماننے والوں کا انجام ۲۳۲
اللہ کی بات ماننے والوں اور اس کی راہ پر چلنے والوں کو بشارت ۲۳۴
اپنے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور سچی توبہ کر کے آخرت کی سرخروئی اور جنت حاصل کرو ۲۳۵

مقدمہ

صاحبِ قرآن اور قرآن کا تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے کہ اب سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں پوری انسانی دنیا نورِ ہدایت سے محروم اور روحانیت واخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی، یورپ پر قرون وسطیٰ کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، ایران اور اس کے زیر اثر ملکوں میں مزدکیت کا دور دورہ تھا، جس نے اخلاق وشرافت کی حدود کو درہم برہم کرکے انسانوں کو حیوان بنادیا تھا، ہندوستان پورانِک عہد کی تاریخی میں بھٹک رہا تھا، یہاں ایک طرف تو جمادات وحیوانات بلکہ سانپوں تک کی پرستش ہوتی تھی اور دوسری طرف بیچارے ان انسانوں کے ساتھ جن کو نسلی اور پیدائشی طور پر چھوت قرار دیا گیا تھا، حیوانوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا، وہ انسان ہونے کے باوجود انسانی حقوق سے محروم تھے، جس کے کچھ اثرات اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود اب تک بھی باقی ہیں۔ کم وبیش یہی حال انسانیت کی پستی اور انسانوں کی بے راہ روی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے ان دوسرے ملکوں کا بھی تھا جن کی تاریخ معلوم ہے۔

پھر ان سب کے گویا قلب میں جزیرہ نمائے عرب تھا جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مقام اتصال پر واقع تھا اور اسی لئے پرانے زمانے میں اسے "دنیا کی ناف" کہا جاتا تھا، یہ بھی اس دور میں خداوندی ہدایت اور تعلیم وتہذیب کی روشنی سے یکسر محروم تھا، تاریکیوں اور گمراہیوں کے بادل تہ بہ تہ چھائے ہوئے تھے، ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار دیویوں، دیوتاؤں اور ان سے نسبت رکھنے والی پتھر کی مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی، ان کے لئے انسانوں تک کی قربانی دی جاتی تھی۔ شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ واسماعیلؑ نے خدا کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، وہ ایک بڑا بت خانہ بن گیا تھا، پورے ملک میں جنگل کا قانون چالو تھا، کوئی حکومتی نظام بھی نہ تھا، انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، سنگدلی اور قساوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود اپنے نومولود بچوں کو گڑھا کھود کے زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے، بے شرمی اور بے حیائی کا یہ حال تھا کہ بہت سے لوگ مادرزاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے،

بعض قبیلوں میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کی بیوہ بیوی کو اپنی بیوی بنالیتا تھا اور یہ گویا اس کا حق تھا۔ اخلاق ورحانیت کی اس تباہی کے علاوہ دنیا بھی برباد تھی، بہت بڑی تعداد ایسے غریبوں کی تھی، جو غربت وافلاس کی مجبوری سے زمین کے کیڑے مکوڑے اور مردار تک کھالیتے تھے۔

پوری انسانی دنیا کے اور خاص کر ملک عرب کے یہ حالات تھے کہ اب سے ٹھیک چودہ ۱۴۰۰ سو سال پہلے عرب کے مرکزی شہر مکہ میں ابراہیمؑ واسماعیلؑ ہی کی نسل کے ایک معزز قبیلہ قریش کے ایک شریف گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا، یعنی ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اور بیوہ ماں ہی نے اس کو پالا، عمر کا چھٹا سال تھا کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، تو دادا عبدالمطلب نے اپنے آغوشِ تربیت میں لے لیا، اس کے دو ہی سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آٹھ سالہ بچہ کو چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

اس بچہ کا نام "محمد" رکھا گیا تھا، جس کے معنٰی ہیں، وہ ذات جو اپنی صفات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی قابل تعریف ہو۔ چونکہ عربوں میں اس زمانہ میں تعلیم کا رواج نہیں تھا، اس لئے آپ بھی اُمی یعنی نوشت وخواند سے بالکل نا آشنا رہے۔ لیکن فطرت کی سلامتی اور روح کی پاکیزگی جو خدا کا خاص عطیہ تھا، اس کی وجہ سے اس انتہائی فاسد ماحول میں بھی آپ کی زندگی نہایت معصومانہ اور شریفانہ رہی۔ جب سن شعور کو پہنچے تو کسب ومعاش کی فکر ہوئی تاکہ چچا ابوطالب پر (جن کی خود بھی کافی اولاد تھی) بوجھ نہ پڑے، تجارت خاندانی پیشہ تھا، اسی کا اپنے لئے انتخاب کیا۔ لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا ذاتی کاروبار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اپنی محنت دوسروں کے سرمایہ کے ساتھ لگا کر کام شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں معاملات میں آپ کی امانت ودیانت، سچائی اور نیک کردار ی کی شہرت ہو گئی اور آپ کا لقب ہی "امین" پڑ گیا، جس نے آپ کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا، اس نے آپ کو ایک فرشتہ صفت انسان اور بالکل نئے قسم کا ایک پاکباز تاجر پایا اور وہ متاثر ہوا۔

مکہ میں قریش ہی کے قبیلہ میں خدیجہ ایک دولت مند بیوہ خاتون تھیں، جن کا اپنا کاروبار بھی تھا اور دوسروں کو سرمایہ دے کر بھی وہ تجارت کراتی تھیں، بڑی صاحب فراست اور نیک فطرت خاتون تھیں، ان سے بھی آپ کو کچھ کاروباری واسطہ پڑا تھا۔ وہ اگرچہ صاحب اولاد تھیں اور ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی اور آپ کی عمر ابھی صرف پچیس سال ہی تھی، اس کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہا اور یہ نکاح ہو گیا۔

اس نکاح کے بعد آپ کو اپنے معاشی مسئلہ کی زیادہ فکر نہیں رہی تو آپ زیادہ وقت خلق اللہ کی

خدمت، خاص کر غریبوں، آفت رسیدوں اور ضرورت مندوں کی امداد واعانت اور علاقہ میں امن وامان کی فضا قائم کرنے پر صرف کرنے لگے۔ زندگی اسی طرح چل رہی تھی اور آپ کی معصومانہ سیرت، نیک روی، غربانوازی اور خدمت خلق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عام طور سے آپ کی عظمت اور محبت پیدا ہوگئی تھی اور اس طرح پوری قوم کی غیر رسمی سرداری آپ ﷺ کو حاصل تھی، کہ عمر کے چالیسویں سال میں آپ ﷺ کے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی، دل میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوا تاکہ گھر سے اور آبادی سے دور، سب سے الگ بالکل تنہائی میں عبادت اور دعاومناجات کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کریں۔ مکہ سے قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی پہاڑی ہے، جس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چند چٹانوں سے گھرا ہوا ایک قدرتی غار ہے جو آج بھی غار حرا کے نام سے معروف ہے، آپ ایک ہفتہ کے لئے صرف زندگی کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے اور بالکل یک وتنہا اس غار میں رہتے، ہفتہ میں ایک دفعہ گھر آتے اور پھر اسی طرح کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہیں چلے جاتے اور سارا وقت توجہ الی اللہ اور تفکر وعبادت میں گزارتے۔ اگرچہ اس وقت خدا کی ذات وصفات کی وہ معرفت آپ ﷺ کو حاصل نہیں تھی جو بعد میں وحی الٰہی سے حاصل ہوئی۔ اسی طرح طریق عبادت کی بھی کوئی خاص تعلیم آپ کو نہیں ملی تھی، لیکن کسی طالب کو جس کی فطرت سلیم، روح پاکیزہ اور دل نورانی ہو، جس درجہ کی خدا کی مجمل معرفت ومحبت اور اس کی رضاجوئی اور حصول قرب کا شوق پیدا ہو جانا چاہئے، وہ یقیناً آپ ﷺ کو حاصل تھا اور اپنے قلبی داعیہ کی رہنمائی کے مطابق آپ ﷺ خدا کی عبادت اور اس کے حضور میں دعا کرتے تھے، یہ سلسلہ کئی مہینہ اسی طرح جاری رہا۔ اسی زمانہ میں ایک نئی کیفیت آپ ﷺ میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ بکثرت خواب دیکھتے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ اگلے دن واقعہ کی شکل میں سامنے آجاتا لیکن آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار واعلان بالکل نہ کرتے۔ یہ عالم بالا کے ساتھ آپ ﷺ کے روحانی رابطہ کا آغاز تھا اور شروع ہونے والے دن کی صبح صادق تھی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک دن جب کہ غارِ حرا کے اس مجاہدہ اور اعتکاف کے تسلسل پر چھ مہینے گزر چکے تھے۔ آپ غار حرا سے اس غیر معمولی حالت میں گھر آئے کہ رنگ پیلا تھا جیسا کہ کسی سخت دہشت زدہ انسان کا ہو جاتا ہے اور جسم پر لرزہ کی سی کیفیت طاری تھی، آپ آتے ہی پڑ گئے اور گھر والوں سے فرمایا: "مجھے موٹے کپڑے اڑھادو، مجھ پر موٹے کپڑے ڈال دو۔! (زملونی زملونی) پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو بیوی خدیجہ کے دریافت کرنے پر غار میں خدا کے فرشتے کا ظاہر ہونا اور

خدا کا پیغام پہنچانا اور اس کا کلام پڑھوانا اور اس سلسلہ میں جو کچھ پیش آیا تھا اور آپ ﷺ کے قلب اور روح پر اس کا جو غیر معمولی بوجھ پڑا تھا، وہ سب آپ ﷺ نے بیان کیا اور بتلایا کہ میری یہ حالت اس کے اثر سے ہے۔ خدیجہ جو بڑی صاحب فراست خاتون تھی، انھوں نے پہلے تو خود آپ کو تسلی دی کہ آپ جیسے نیک اور سب کے کام آنے والے بندہ کے ساتھ اس کا خدا جو کچھ کرے گا، وہ بہتر ہی ہو گا، اس کے بعد وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی، جو بہت بوڑھے تھے، آنکھوں سے بھی معذور ہو چکے تھے، انھوں نے بہت پہلے اپنی بت پرست قوم کے کیش و مذہب کو چھوڑ کے نصرانیت اختیار کر لی تھی، وہ قدیم آسمانی کتابوں تورات و انجیل کے اچھے عالم بلکہ مترجم بھی تھے، انھوں نے غار حرا کا واقعہ سن کر یقین کے ساتھ کہا کہ تمہارے پاس جو فرشتہ آیا تھا، یہ اللہ کا وہی خاص فرشتہ ہے جو پیغمبروں کے پاس خدا کا کلام و پیام اور اس کے احکام لایا کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تم کو منصب نبوت پر فائز کیا ہے اور پیغمبری کا کار عظیم تمہیں سپرد کیا جائے گا اور سن لو تمہاری قوم تمہاری دشمن ہو جائے گی اور تم کو جلاوطن کر دے گی، پھر بوڑھے نے حسرت سے کہا کہ کاش! میں اس وقت زندہ و توانا ہوتا اور تمہارا ساتھ دے سکتا! بس یہاں سے محمد ﷺ کے دور نبوت کا آغاز ہوا۔

آپ کا اب تک حال یہ تھا کہ اپنی ذات سے معصوم فطرت اور خادم خلق تھے لیکن خاموشی پسند تھے، اس دور میں عربوں میں شعر و سخن سے دلچسپی عام تھی لیکن آپ ﷺ نے اس میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی۔ نہ قوم کے سامنے کبھی خطیب اور مقرر بن کے کھڑے ہوئے، کبھی مصلحانہ حیثیت سے بھی کسی تحریکیت اور ہنگامہ خیز کا آپ سے ظہور نہیں ہوا، حتیٰ کہ قوم کی حد سے گزری ہوئی بداخلاقی و بے راہ روی کی اصلاح کے لئے بھی آپ ﷺ نے کوئی تحریک کھڑی نہیں کی اور کوئی پیلٹ فارم نہیں بنایا۔ وحی و رسالت، قیامت و آخرت اور دین و شریعت کے موضوع پر بھی ان پورے چالیس سال میں کبھی آپ سے کچھ نہیں سنا گیا، اگلے پیغمبروں اور ان کی امتوں کے بارے میں بھی اس پورے عرصہ میں اپنی قوم کو آپ ﷺ نے کوئی رہنمائی نہیں دی، الغرض چالیس ۴۰ سال کی عمر تک آپ ﷺ کی زندگی کا ان باتوں سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوا اور کسی نے ایسی بات آپ سے نہیں سنی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ ان مسائل کی الف ب سے بھی واقف و باخبر ہیں۔

لیکن عمر کے اکتالیسویں سال میں غار حرا کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اچانک آپ ﷺ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا ہو گیا، گویا آپ ﷺ کے قالب میں ایک دوسری روح آ گئی اور آپ

ایک بالکل دوسرے قسم کے انسان بن گئے۔ اب آپ ﷺ کی خاموشی ٹوٹ گئی اور اپنی قوم سے آپ نے کہا کہ مجھے خدا نے وحی والہام سے نوازا ہے اور اپنی پیغمبری کی خدمت میرے سپرد کی ہے، جیسے کہ کبھی پہلے ابراہیمؑ وسماعیلؑ، اسحٰقؑ ویعقوبؑ اور پھر عیسیٰؑ کو سپرد کی تھی۔

آپ نے قوم کو بتایا کہ وہ خدا میرا اور ساری کائنات کا خالق وپروردگار ہے، ہر نقص سے پاک اور عظمت وکمال کی ساری صفات کا جامع ہے، صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے، میری ،تمہاری اور سب کی موت وحیات اسی کے قبضہ میں ہے، ہر طرح کا بناؤ وبگاڑ اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں ہے، کسی دوسرے کی یہ شان نہیں ہے، اس کے سوا جن بتوں اور دیویوں، دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے اور جن کو حاجت روا سمجھا جاتا ہے، ان کے قبضہ واختیار میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کی عبادت اور اللہ کے سوا کسی مخلوق کی بھی عبادت بہت بڑا گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے، اس لئے صرف ایک خدا کی عبادت کرو جو معبود برحق ہے، اسی سے لو لگاؤ، اسی سے بھرپور محبت کرو اور اس سے بہت زیادہ ڈرو یہ حکم میرے لئے بھی ہے اور تم سب کے لئے بھی۔

آپ نے قوم کو یہ بھی بتایا اور ان کے دلوں میں اس کا یقین اتار دینے کی پوری کوشش کی کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں، ہمیشہ نہیں رہے گی، جس طرح ہر پیدا ہونے والا آدمی اپنی مقررہ زندگی پوری کر کے مر جاتا ہے، اسی طرح یہ پوری دنیا بھی ایک وقت خدا کے حکم سے فنا کر دی جائے گی، وہ قیامت کا دن ہوگا، پھر خدا ہی اپنی قدرت سے سب کو دوبارہ زندگی بخشے گا اور ایک دوسرا عالم برپا ہوگا، یہ آخرت کا عالم ہوگا، جس میں سب کو اپنے کئے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی، جنہوں نے دنیا میں خدا کو اور خدا کے احکام کو مان کر پاکبازی اور نیک کرداری کی زندگی گزاری ہوگی، ان پر خدا کی رحمت ہوگی اور ان کو بھرپور لذتوں اور مسرتوں والی زندگی عطا فرمائی جائے گی اور اس کے برعکس جنھوں نے اس دنیا میں اپنے خالق وپروردگار کو بھلا کر اور اس کے احکام سے بے پروا اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر مجرمانہ زندگی گزاری ہوگی، وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے ۔ پھر آپ ﷺ نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بندوں پر اللہ کے حقوق اور بندوں پر دوسرے بندوں کے حقوق اور اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی بھی قوم کو تعلیم وتلقین کی اور فواحش ومنکرات اور بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں سے منع بھی فرمایا اور اس کے برے انجام سے ڈرایا۔

اسی طرح آپ ﷺ قوم کو خرید وفروخت، تجارت وسوداگری اور مالی لین دین اور محنت ومزدوری وغیرہ کے بارے میں بھی خدا کی ہدایات پہنچائیں اور بتایا کہ ان میں یہ طریقے صحیح وجائز

اور یہ غلط و ناجائز ہیں۔ کھانے پینے کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ چیزیں خدا نے حلال اور یہ حرام قرار دی ہیں، پھر آپ نے ان باتوں کو صرف بتا کے اور بیان کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ یہی آپ کی زندگی کا مشن ہو گیا اور ان سچائیوں کی دعوت اور اپنی قوم عرب کی اور پوری انسانی دنیا کی ہدایت کی فکر آپ پر اس طرح چھا گئی کہ اس سے الگ کسی چیز سے گویا کوئی دلچسپی نہیں رہی، دن رات اسی کی فکر اور جدجہد میں مشغول رہتے اور اسی کے لئے اپنے خدا سے دعائیں کرتے۔ اس راستہ میں آپ ﷺ نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، ماریں کھائیں، اذیتیں برداشت کیں، آپ کا اور آپ ﷺ کے کنبہ کا طویل مدت تک بائی کاٹ کیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی بھی ناکہ بندی کی گئی لیکن آپ ﷺ نے اپنی دعوت اور جدجہد میں کوئی کمی نہیں کی، مخالفین سے کسی آویزش کے بغیر آپ امکان بھر اپنے کام میں اسی طرح لگے رہے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ الحاح سے ہدایت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہے۔

قوم میں سے جن لوگوں کی روحوں میں نیکی کا جوہر اور حق کو قبول کرنے کی کم و بیش صلاحیت موجود تھی، وہ ایک ایک دو دو کر کے آپ کی سچائی سے متاثر ہو کر آپ کی دعوت کو قبول کرتے رہے اور پھر وہ بھی مکہ کے شرارت پسند عنصر کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے، قریباً دس بارہ سال اسی طرح گزرے۔ اس کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو مکہ سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا اور اس کا کوئی امکان نہیں رہا کہ مکہ میں رہ کر دینِ حق کی دعوت اور بندگانِ خدا کی ہدایت کی خدمت کا سلسلہ جاری رہ سکے تو آپ ﷺ نے خدا کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنا مستقر اور اپنی دعوت و جدوجہد کا مرکز بنالیا، یہاں پہنچ کر کام اور زیادہ جذبہ اور محنت سے ہونے لگا اور خدا کے فضل سے دعوت قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدینہ میں آپ کے پیروں اور رفیقوں کی اجتماعیت سے ایک عجیب و غریب قسم کا حکومتی نظم و نسق بھی قائم ہو گیا۔ اس حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، پولیس نہیں تھی، تھانیدار نہیں تھا، تحصیلدار نہیں تھا، جج نہیں تھا، منصف نہیں تھا، کوئی بھی عہدہ دار نہیں تھا اور سب تھے، یعنی حسب ضرورت ان عہدوں کے سارے کام ہوتے تھے اور آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے والے بندگانِ خدا صرف اللہ کی رضا اور ثواب کے لئے بغیر کسی تنخواہ اور حکومتی منصب و لقب کے یہ ساری خدمات انجام دیتے تھے۔

نئے طرز کی اس حکومت نے جس کے مؤسس اور سربراہ نبی اُمی حضرت محمد ﷺ تھے، دنیا کو عملی طور سے دکھا دیا کہ بغیر فوج اور خزانے کے بھی حکومت ہو سکتی ہے اور مقاصدِ حکومت بہتر

سے بہتر طریقہ پر انجام پاسکتے ہیں۔ دشمن طاقتوں سے اس حکومت کی جنگیں بھی ہوئیں جو دنیا کے لئے مختلف پہلوؤں سے جنگوں کا بہترین نمونہ تھیں اور جن سے بہت کچھ سبق سیکھا جاسکتا ہے۔ مخالف طاقتوں سے معاہدے بھی ہوئے، صلحیں بھی ہوئیں، اس حکومت نے اپنوں پر اور پرایوں پر ٹیکس بھی لگائے اور دنیا کو دکھادیا کہ ٹیکس کے بارے میں اچھی حکومتوں اور ان کے عوام کا رویہ کیا ہونا چاہئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد صرف دس سال آپ اس دنیا میں رہے اور اتنی تھوڑی مدت میں قریب قریب پورا عرب آپ کے لئے مسخر ہو گیا اور آبادی کے بہت بڑے حصہ نے آپ ﷺ کی دعوت وہدایت کو قبول کرلیا، ہزار ہا ہزار وہ آدمی جو پہلے خدا سے نا آشنا تھے، آخرت اور جزا وسزا کے تصور سے جن کا ذہن بالکل خالی تھا اور ساری عمر انتہائی گمراہیوں اور بد اخلاقیوں میں گزاری تھی، وہ آپ کے فیض صحبت اور تعلیم وتربیت سے ایسے معیاری اور کامل انسان بن گئے کہ طویل انسانی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ افراد ہی نہیں بلکہ کامل انسانوں کی ایک پوری قوم پیدا ہو گئی جس کی مثال چشم فلک نے ان سے پہلے دیکھی تھی، نہ اس کے بعد دیکھی۔

یہ سب کچھ صرف دس سال میں۔ اور مکہ کے ابتدائی دور کو بھی شامل کرلیا جائے تو قریباً قریباً بیس بائیس سال میں ایک ایسے آدمی کے ذریعے ہو گیا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ الف ب بھی نہیں جانتا تھا، اس کو اچھے، مہذب دانشمند اور خدا پرست انسانوں کی کبھی صحبت بھی نہیں ملی تھی، اس کی زندگی میں چالیس سال کی عمر تک (جو اندرونی جذبات اور رجحانات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے) کسی قسم کی ہنگامہ پسندی، تحریکیت اور کسی مہم کی قیادت کے جذبہ کی ادنیٰ سی جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جو نہ شاعر تھا، نہ خطیب، نہ شاعروں یا مقرروں کی کوئی ٹیم اس کے ساتھ تھی، رسالوں، اخباروں اور ریڈیوں کا تو وہ زمانہ ہی نہیں تھا۔ تو سوچنے کی بات ہے کہ اتنا عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال یہ انقلاب اس آدمی کے ذریعہ کیسے ہو گیا؟

خدا کا وہ بندہ کہتا تھا کہ خود مجھ میں کچھ نہیں ہے، میں ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں، پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں ہوں۔ میں خدا کی ذات وصفات اور توحید وغیرہ کے بارے میں جو بیان کرتا ہوں، قیامت وآخرت اور دوزخ وجنت کے بارے میں جو بتاتا ہوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو احکام دیتا ہوں اور جو کچھ تعلیم وتلقین کرتا ہوں، یہ میرے اپنے فہم وفکر کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب میرے اور تمہارے خدا کی طرف سے ہے، اس نے مجھے تمہاری ہدایت

وخدمت کے لئے آلہ کار اور وسیلہ بنالیا ہے۔ وہ ایک کلام پڑھ کر سناتا تھا، جو اس تعلیم وہدایت کا سرچشمہ تھا، اس میں بلا کی تاثیر اور کشش تھی، اگرچہ وہ عربی زبان میں تھا جو پوری قوم کی زبان تھی لیکن وہ بالکل نرالا کلام تھا، خود لانے والے (پیغمبر) کے کلام سے بھی بالکل ممتاز۔ اس کے دشمن بھی اس سے متاثر ہوتے تھے اور اس لئے اس کو "جادو" کہتے تھے۔ لیکن وہ کلام سنانے والا کہتا تھا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ خدا کا کلام ہے، اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، یہ میرے لئے بھی اس کا ہدایت نامہ اور حکم نامہ ہے اور تمہارے لئے اور ساری دنیا کے لئے بھی۔ یہ خدا کی آخری کتاب قرآن ہے۔

وہ قرآن آج بھی جوں کا توں محفوظ ہے اور اس میں غور وفکر کر کے آج بھی سچائی کا ہر طالب یہ یقین حاصل کر سکتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہر گز نہیں ہو سکتا۔

اس میں صفاتِ الٰہی اور توحید جیسے مضامین کے بارے میں کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ یقیناً معرفت کا آخری نقطہ ہے، جس تک خدا کی ہدایت و تعلیم کے بغیر کسی ذہین انسان کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی ، اسی طرح حیات بعد الموت اور اس قسم کے دوسرے مشکل مسائل پر قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ یقیناً انسانی علم وفکر سے بہت آگے کی چیز ہے۔ پھر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں، ان کے بارے میں ہر گز نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ کسی انسان اور خاص کر محمد بن عبد اللہ ﷺ جیسے کسی اُمی اور بالکل نا تعلیم یافتہ انسان کے فہم وفکر کا نتیجہ ہیں۔

الغرض قرآن خود ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ ہے اور اس کے لانے والے اور پیش کرنے والے حضرت محمد ﷺ اس کے سچے رسول ہیں۔

امید ہے کہ اس کتاب۔" قرآن آپ سے کیا کہتا ہے" کا مطالعہ اس سلسلہ میں آپ کا مددگار ثابت ہو گا۔

دیباچہ

(از مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وسلام علیٰ عبادہ المرسلین

یہ واقعہ ہے جس کے اظہار میں ذرہ برابر بھی انکسار اور تکلف کو دخل نہیں ہے کہ اس ناچیز نے قرآن مجید کو موضوع بناکر کبھی کوئی خاص طالب علمانہ محنت نہیں کی اور اس لئے علوم قرآن میں مجھے کسی قسم کا اور کسی درجہ کا بھی امتیاز اور تخصیص حاصل نہیں ہے، بلکہ پرانے عربی مدرسوں کے عام طالب علموں اور تعلیم یافتوں کی طرح قرآن مجید کا بس ترجمہ اور سادہ مطلب سمجھ لیتا ہوں اور جب توفیق ہوتی ہے تو سمجھ کر تلاوت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور یہ بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن اس سے بڑا انعام اس رب کریم کا اس عاجز بندہ پر یہ ہے کہ تلاوت کے وقت کبھی کبھی دل کو تاثر و تذکر کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اور اس کی یہ برکت ہے کہ قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا میرے لئے ایک بالکل محسوس حقیقت ہے، گویا جس طرح کسی میٹھی یا نمکین چیز کے کھاتے وقت اپنی زبان و تالو کے احساس کی بنا پر مجھے اس کی شیرینی یا نمکینی کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ بالکل اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کبھی میرے قلب کا جو تاثر اور احساس ہوتا ہے، مجھے اس سے قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا قطعی یقین حاصل ہوتا ہے، ان دونوں یقینوں میں میرے لئے کوئی فرق نہیں ہے، ان میں سے کوئی یقین بھی میرے لئے فکری اور استدلالی نہیں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ۔

قرآن مجید سے دل کے اس تاثر کا اگرچہ کوئی وقت اور موسم مقرر نہیں ہے، لیکن خاص کر رمضان المبارک میں یہ دولت الحمد للہ زیادہ نصیب ہوتی ہے اور جب بھی اللہ نصیب فرمائے، قدرتی طور پر اس وقت قرآن مجید اور اس کی دعوت و تعلیم کی عظمت کا احساس و یقین اور بڑھ جاتا ہے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے، رمضان المبارک ہی کے ایک دن قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا، یاد

نہیں کون سا مقام تھا، بہر حال اس دن طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی اور دل میں یہ داعیہ بھی اس وقت بڑی شدت سے پیدا ہوا کہ قرآن مجید کی اس دعوت و تعلیم کو قرآن مجید ہی کے دعوتی انداز میں اللہ کے ان بندوں تک پہنچانے کی بھی کوئی کوشش اپنی بساط کے مطابق کی جائے جو بیچارے اس سے ناآشنا ہیں۔ اس کی ایک عملی شکل اسی وقت یہ ذہن میں آئی کہ متوسط ضخامت کی ایک کتاب لکھی جائے جس میں قرآنی دعوت و تعلیم کو عنوانات کے تحت اس طرح مرتب کر کے پیش کیا جائے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہو اور اس میں اپنی طرف سے کسی دلیل اور بحث کا اضافہ بالکل نہ کیا جائے، البتہ سمجھنے کے لئے جہاں کچھ تشریح اور وضاحت کی ضرورت ہو وہاں صرف بقدر ضرورت ہی وضاحت اور تشریح کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی وقت اس کام کے کرنے کی نیت کر لی گئی اور ذہن نے کتاب کا ایک خاکہ بھی بنا لیا، آیات کے جمع و انتخاب کا کام بھی شروع کر دیا گیا، جو رمضان المبارک ہی میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد اس تالیف و ترتیب کا کام باقی رہ گیا، اس وقت خیال تھا کہ جم کر اور مسلسل کام کیا جا سکتا تو زیادہ سے زیادہ بس تین چار مہینے میں انشاء اللہ کتاب تیار ہو جائے گی، لیکن ہوا یہ کہ کبھی مسلسل چار دن بھی اس کام کو نہیں دیئے جا سکے اور اس کے برعکس ایسا بارہا ہوا کہ یہ ایک دو دن بیٹھ کے اگر کبھی دو چار صفحے اس کے لکھے تو پھر مہینوں اس لکھے ہوئے کو اٹھا کر دیکھنے اور اس پر ایک سطر کا بھی اضافہ کرنے کی نوبت نہیں آئی اور ایک دفعہ تو قریباً دو سال کا عرصہ اس درمیان میں ایسا گزرا جس میں اس کام کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جا سکا، الغرض یہ رہی رفتار اس کی تالیف اور تیاری کی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب مرحلوں سے گزر کر اب یہ کام اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے، اس میں جو کمی یا غلطی ہے، اس کا ذمہ دار یہ ناچیز بندہ ہے اور جو خیر و خوبی اور نافعیت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فلہ الحمد ولہ الشکر۔

آخر میں مختصر مختصر چند باتیں کتاب کے بارے میں اور بھی عرض کرنی ہیں:

(۱) جس طرح قرآن مجید اس کے ماننے والے مسلمانوں کے لئے بھی ہے، اسی طرح دوسرے سارے انسانوں کے لئے بھی اور اس ناچیز نے اس کتاب کے لکھتے وقت مسلمانوں کے ساتھ دوسرے عام انسانوں کو بھی سامنے رکھا ہے، اس لئے میری قدرتی خواہش ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں تک بھی کسی طرح زیادہ سے زیادہ پہنچ سکے، اپنے امکان اور وسائل کی حد تک یہ عاجز تو انشاء اللہ اس کے لئے کوشش کرے گا ہی، دوسرے حضرات بھی مطالعہ کے بعد اگر کتاب کو اس لائق سمجھیں تو اردو خواں غیر مسلموں تک بھی اس کو پہنچانے کے

ذرائع سوچیں اور ان کو بروئے کار لائیں۔

(۲) ناظرین کو یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ قرآنی آیات کے ترجمہ میں لفظی ترجمہ اور نحوی ترکیب کی زیادہ پابندی میں نے نہیں کی ہے، بلکہ ناظرین کی سہولتِ فہم کا زیادہ لحاظ رکھا ہے، اگر کسی کو لفظی ترجمہ ہی دیکھنا ہو، تو اس عاجز کے خیال میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس کی بہت اچھی کفالت کی ہے۔

(۳) جس خاص مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے چونکہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ کتاب کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو، اس لئے قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کے سارے گوشوں کو اس میں سمیٹ لینے کی گنجائش نہ تھی تاہم اس عاجز کا خیال ہے کہ اس کا اہم حصہ اس میں سب ہی آگیا ہے اور امید ہے کہ پیش نظر مقصد کے لئے انشاء اللہ یہ کافی ثابت ہو گا۔

آخری گذارش اپنے ناظرین کرام سے

بس یہ ہے کہ وہ کتاب کے لئے مقبولیت و نافعیت کی اور اس کے مصنف کے لئے مغفرت و رحمت کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ اس عاجز و مسکین بندہ کے لئے اللہ کی رحمت کے بعد سب سے بڑا آسرا اس کے صاحب ایمان بندوں کی دعاؤں ہی کا ہے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

خدا کی ہستی!

دین ومذہب کے سلسلہ کی بنیاد اس حقیقت کے ماننے پر قائم ہوئی ہے کہ ہمارا اور ساری کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی قدرت اور حکم سے اس سارے جہان کو چلا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص اس بنیاد ہی کو نہ مانے تو اس کے نزدیک دین اور دھرم کے سلسلہ کی تمام باتیں بیوقوف انسانوں کے "توہمات" ہیں۔

بہر حال خدا کی ہستی کا مسئلہ دین ومذہب کا پہلا بنیادی مسئلہ ہے اور کوئی دینی دعوت ان ہی لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو پہلے اس بنیاد کو تسلیم کرلیں، مگر چونکہ واقعہ یہ ہے کہ خدا کی ہستی کا علم انسانوں کے لئے خود اپنی ہستی کے علم کی طرح بالکل فطری اور بدیہی ہے، جس کے لئے کسی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے دنیا کی عام انسانی آبادی ہمیشہ سے اس بنیاد کی ماننے والی رہی ہے، حتیٰ کہ ہمارے اس دور میں بھی جس کو لادینیت اور دہریت کا دور کہا جاتا ہے، انسانوں کی غالب ترین اکثریت خدا کی ہستی کی ماننے والی ہی ہے، اس لئے قرآن مجید نے اپنے دعوت کے سلسلہ میں اس مسئلہ پر براہ راست زیادہ بحث نہیں کی، لیکن پھر بھی جابجا اس نے اشاروں ہی اشاروں میں اس مسئلہ پر ایسے دلائل وبراہین قائم کئے ہیں جو ہر اس شخص کے دل میں خدا کی ہستی کا یقین پیدا کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں جس کے ہوش وحواس صحیح وسالم ہوں اور جس نے اپنے عقل وبصیرت کی آنکھوں کو بالکل پھوڑ نہ لیا ہو۔

ہاں! اس سلسلہ میں یہ ایک بات پہلے سمجھ لینے کی ہے کہ قرآن پاک خدا کی ہستی (اور اسی طرح دوسری ایمانی حقیقتوں) کو منوانے کے لئے منطقیوں کے طریقے پر بحث ومناظرہ نہیں کرتا ہے جس کے مقابلہ میں مخاطب اگرچہ لاجواب ہو جائے، لیکن اس کے دل میں اس سے یقین کی ٹھنڈک پیدا نہیں ہو سکتی، بلکہ قرآن پاک کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کی صحیح اور سلیم فطرت سے اپیل کرتا ہے کہ کائنات کا نظام جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، بلکہ تم خود اسی کا ایک جز ہو، اس میں ذرا غور وفکر کرو، تم خود حقیقت کو پالوگے اور جو تم کو بتلایا جارہا ہے، اس کی کھلی نشانیاں

بچشم خود دیکھ لوگے اور تمہارا یہ غور و فکر اور مطالعہ ہی یقین واطمینان کی ٹھنڈک تمہارے دلوں میں پیدا کردے گا، اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر ذرا پڑھئے قرآن مجید کی یہ آیتیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (البقرہ:۱۶۴)

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں وزمین کی ساخت میں اور رات دن کے یکے بعد دیگر آنے میں اور ان کشتیوں، جہازوں میں جو انسانوں کے کام کی چیزیں لے کر دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں اور اس بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے زمین کو ایک زندگی بخشتا ہے، بعد اس کے کہ وہ مردہ ہو چکی ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ ہر قسم کے جاندار زمین کی وسعت میں پھیلا دیتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر رہتے ہیں (تو ان سب چیزوں میں جن کو سب آنکھوں والے انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں) عقل سے کام لینے والے لوگوں کے لئے کھلی نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید نے یہاں آسمان و زمین کی ساخت، رات دن کی آمد ورفت کے مقررہ نظام، سمندروں میں جہازوں کی چلت پھرت، بارش اور اس کے آثار ونتائج، ہواؤں کے تغیرات اور آسمان وزمین کے درمیان ایک خاص نظام کے تحت رہنے والے بادلوں کی طرف اشارہ کرکے انسانوں سے کہا ہے کہ ان چیزوں میں غور کرو، اگر تم عقل سلیم سے کام لوگے تو ان میں کی ہر چیز تمہیں زبانِ حال سے صاف صاف بتائے گی کہ وہ جو کچھ ہے اور جس حال میں ہے، آپ سے آپ نہیں بنی ہے بلکہ کسی حکیم وخبیر اور کامل القدرت ہستی نے اسے ایسا بنادیا ہے۔ پھر سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ (الانعام: ۹۵)

ترجمہ: یقیناً اللہ ہے دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا، وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو

زندہ سے نکالنے والا ہے، یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے پھر تم کدھر بہکے چلے جارہے ہو؟

قرآن کہتا ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ کسی اناج کے ایک دانے یا کسی پھل کی گٹھلی کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے، نہ اس دانے یا گٹھلی میں کوئی شعور واحساس ہے، نہ زمین میں، نہ ان میں سے کسی میں ارادہ کی کوئی طاقت ہے، یہ سب چیزیں بالکل بے جان ہیں، لیکن چند دنوں کے بعد کسی نظر نہ آنے والی طاقت کا مخفی ہاتھ زمین کے اندر ہی اندر اس دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس میں سے نہایت نرم ونازک ایک ریشہ نکلتا ہے، پھر وہ اپنے اوپر والی مٹی کی تہوں کو چیرتا ہوا اوپر نمودار ہو جاتا ہے، تو ذرا سوچو کہ مٹی میں دفن شدہ اس بے جان دانے یا گٹھلی کو کس نے پھاڑا؟ کس نے اس میں سے وہ جاندار اُگھوا نکالا؟ پھر سوت کے دھاگے جیسے نرم ونازک اس اُگھوے نے کس طاقت سے زمین کو چیر ڈالا؟ کیا تمہاری عقل میں یہ آسکتا ہے کہ اس بے جان دانے یا گٹھلی نے یہ سارے کام خود کر لئے، یا بغیر کسی کرنے والے کے آپ سے آپ یہ سب کچھ ہو گیا؟ ہر گز نہیں! یہ سب ایک حکمت وقدرت والی ہستی نے کیا اور وہ ہستی ہے اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى۔

اور اس کی قدرت صرف بے جان دانے اور گٹھلی ہی کے ساتھ یہ عمل نہیں کرتی ہے، بلکہ اور بھی کتنی بے جان چیزوں سے وہ جاندار چیزیں پیدا کرتا ہے اور اسی طرح کتنی ہی جاندار چیزوں سے بے جان چیزوں کو برآمد کرتا ہے اور تم یہ سب دیکھتے ہو، مثلاً بے جان انڈوں سے جاندار بچوں کا نکلنا بھی دیکھتے ہو اور جانداروں میں سے بے جان مادوں کے برآمد ہونے کا بھی مشاہدہ کرتے ہو۔ خدا کی قدرت کی یہ کیسی کھلی کھلی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں، پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیوں اور کدھر بہک رہے ہو؟ اور سورۂ رعد میں ارشاد ہے:

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۚ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (الرعد: ۴)

ترجمہ: اور دیکھو! زمین میں مختلف قطعے ہیں، جو باہم ملے ہوئے اور پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور غلہ کے کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو جڑ سے دوسرے درخت کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے جو اس طرح جڑے نہیں ہوتے، ان سب چیزوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور پھر ان میں سے بعض کو بعض پر ہم مزہ میں فوقیت اور برتری دیتے ہیں، ان سب میں بڑی

نشانیاں ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لئے۔

قرآن کہتا ہے، زمین جس پر تم چلتے ہو اور جس سے تمہاری غذا پیدا ہوتی ہے، ذرا اس کی اس حالت پر تو غور کرو کہ اسکے باہم ملے ہوئے قطعوں میں بسا اوقات کیسا کیسا فرق ہوتا ہے، ایک زیادہ پیداوار والا ہے دوسرا کم پیداوار والا، ایک مثلاً گیہوں کی کاشت کیلئے زیادہ مناسب ہے اور دوسرا مثلاً کپاس یا ایکھ کی کاشت کیلئے۔ پھر کسی ٹکڑے میں انگور کی بیلیں ہیں اور ان سے انگور اترتے ہیں اور اسی کے برابر والے دوسرے ٹکڑے میں مثلاً غلہ کا کھیت ہے جس میں سے غلہ پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی کے تیسرے ٹکڑے میں کھجور کے درخت ہیں اور وہ بھی سب یکساں نہیں بلکہ مختلف طرح کے ہیں، الگ الگ اکہرے اکہرے بھی ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کئی کئی جڑے ہوئے بھی ہیں، پھر حال یہ ہے کہ سب کو ایک پانی ملتا ہے، ایک ہی ہوا لگتی ہے، ایک ہی سورج کی شعاعیں سب پر پڑتی ہیں، اسکے باوجود ان کی ظاہری شکل وصورت کے علاوہ انکے ذائقوں میں بھی کتنا فرق ہے۔ کیا یہ فرق، یہ چھوٹائی بڑائی اور یہ اونچ نیچ آپ سے آپ ہے، کسی ارادہ اور قدرت کے عمل کے بغیر یہ یوں ہی خود بخود ہو رہا ہے؟ ہرگز نہیں! قطعات زمین کے اس کیفیاتی فرق واختلاف میں اور اسکی پیداوار کی اس رنگا رنگی میں عقل وبصیرت سے کام لینے والوں کیلئے کھلی نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ حقیقت کے بارے میں یقین حاصل کر سکتے ہیں اور جسکی حکمت وقدرت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اس کو جان سکتے ہیں۔ اور سورۂ عبس میں ارشاد ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ (عبس: ۲۴ تا ۳۱)

ترجمہ: انسان ذرا اپنی غذا پر نظر ڈالے اور اس میں غور کرے، ہم پہلے زمین پر پانی بر ساتے ہیں، پھر اس زمین کی سطح کو شق کرتے ہیں، پھر ہم اس میں غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور کے درخت اور گنجان باغ اور میوے اور جانوروں کے لئے چارہ پیدا کرتے ہیں۔

پس ہماری پیدا کی ہوئی ان غذاؤں کو استعمال کرنے والے انسان کو چاہئے کہ وہ سوچے کہ یہ غلہ جس سے تیار کی ہوئی روٹی میں کھاتا ہوں اور یہ ترکاریاں اور یہ طرح طرح کے میوے اور یہ پھل اور ہمارے جانوروں کے کام آنے والے یہ چارے، یہ سب چیزیں کہاں سے آئی ہیں اور کون ان کو پیدا

کرتا ہے؟ جس پانی سے یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں، وہ کون برساتا ہے اور پھر کس کے حکم اور کس کی قدرت سے زمین کے اندر دبے ہوئے دانوں یا گٹھلیوں سے ان چیزوں کے پودے اگتے ہیں اور بالکل ابتداء میں زمین میں سے ان پودوں کے نکلنے کے لئے کون سطحِ زمین کو انکے واسطے چیر دیتا ہے؟ تو انسان اگر حقیقت کا طالب بن کر اپنی غذا ہی پر غور کرے گا تو وہ حقیقت کو پالے گا اور غذا کے خالق کا اور اس کی قدرت و حکمت کا اسکو علم ہو جائے گا۔ اور سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (النحل: ٦٦)

ترجمہ: اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور و عبرت کا سامان ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ میں سے خون اور غلیظ فضلہ کے درمیان سے پاک صاف دودھ پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لئے بڑا خوشگوار ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ جن مویشیوں کا تم دودھ پیتے ہو، ذرا ان ہی میں تم غور کرو، انکے پیٹ میں خون کی نالیاں ہیں، غلیظ فضلہ کے رہنے کی جگہ اور اسکے راستے ہیں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ان مویشیوں کے جسم میں سرخ ناپاک خون اور بدبو دار غلیظ فضلہ کی کافی مقدار بھری نہ رہتی ہو، لیکن ان مویشیوں کے جسم کے جن حصوں میں خون اور غلاظت بھری رہتی ہے، اسی کے قریب سے لطیف اور صاف دودھ نکلتا ہے، جس میں نہ خون کے رنگ کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ غلیظ فضلہ کی بدبو کا کوئی اثر، وہ پینے والوں کے لئے کیسا خوشگوار، خوش ذائقہ اور نفیس مشروب ہے، تم خود اسکو جانتے ہو۔ تو ذرا سوچو! کہ یہ کس کی کاریگری ہے؟ کیا جس گائے یا بھینس میں سے یہ دودھ نکلتا ہے، یہ اس کا فعل ہے؟ کیا کسی انسانی عقل نے دودھ کی یہ عجیب و غریب زندہ مشین بنائی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! یہ صرف اس حکیم و خبیر ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس نے اس ساری دنیا کو اور تم کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور ایک موقع پر سوالیہ انداز میں "خدا کی ہستی" ہی کے متعلق نہایت مختصر لفظوں میں کتنی بلیغ اور کیسی تشفی بخش بات کہی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراہیم: ١٠)

ترجمہ: کیا تمھیں اس اللہ کی ہستی میں شک ہے جو تمام آسمانوں و زمین (اور انکے اندر کی ساری کائنات) کا بنانیوالا ہے؟

اس مختصر سے سوالیہ جملہ کے ذریعہ قرآن پاک نے انسانوں کے غور و فکر کیلئے ان کے سامنے

زمین وآسمان کی ساری وسعتیں رکھ دی ہیں۔

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے، سورج، ستاروں کو دیکھتا ہے، انکی روشنی اور انکی گرمی یا خشکی کو دیکھتا ہے، زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے، اس میں باغات دیکھتا ہے، اس سے پیدا ہونیوالا غلہ اور پھل کھاتا ہے، اس کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے، اور ان کی خوشبوں سونگھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والی بے شمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور انکے عجیب وغریب خواص اور منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہوجائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ سب چیزیں خود اپنے ارادہ اور فیصلہ سے ایسی بن گئی ہیں، وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی فلسفی یا صناع انسان کی فلسفہ دانی یا کاریگری کے یہ سب کرشمے ہیں، اس کی سلیم عقل وبصیرت اس کے سوا کسی توجیہ کو قبول ہی نہیں سکتی کہ یہ سب کسی حکیم وخبیر ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہے۔ اور سورۂ ذاریٰت میں ارشاد ہے:

وَفِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ (الذٰریٰت: ۲۱ تا ۲۲)

ترجمہ: اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے اندر میں بھی موجود ہیں پھر کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا؟

یہاں انسانوں سے کہا گیا ہے کہ زمین وآسمان میں ہماری قدرت کی جو نشانیاں ہیں، ان کے علاوہ خود تمہارے اندر بھی ہماری نشانیاں موجود ہیں، تم اگر اپنی فطری بصیرت سے کام لو تو خود اپنے وجود اور اپنے نظامِ زندگی میں غور کرکے یقین حاصل کرسکتے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف اپنے وجود، اپنے اعضاء اور اپنے نظام زندگی ہی پر غور کرے تو فاطر ہستی کے بارے میں اسے ہرگز کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ وہ اپنی ابتداء کو سوچے، رحم مادر میں میری یہ صورت کس نے بنائی؟ میرے قالب میں یہ روح کہاں سے آئی؟ میری زندگی کے یہ سامان کس نے پیدا کئے؟ میری آنکھ میں روشنی کس نے ڈالی؟ میرے کان کے پردوں میں آوازیں سننے کی قابلیت کس نے رکھ دی؟ میری ناک کے غدودوں کو خوشبودار اور بدبودار کا یہ احساس کس نے دیا؟ میری زبان اور میرے تالوں میں یہ چٹخارہ اور ذائقہ کس نے رکھ دیا جس سے کھانے پینے کے سارے لطف ہیں؟ اور مجھے یہ گویائی کی قوت کس نے دی؟ کیا میرے ساتھ یہ مہربانیاں میری ماں نے کیں؟ میرے باپ نے کیں؟ کیا میرے ان کاموں کے لئے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی

گئیں ؟ کیا میں نے خود اپنے آپ کو ایسا بنالیا؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور یہ سوچنا تو اور بھی زیادہ غلط ہو گا کہ میں اپنے یا کسی اور کے ارادہ کے بغیر ہی آپ سے آپ ایسا بن گیا۔ پس حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بڑی حکیم و خبیر اور بڑی کامل القدرت ہستی نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ سب مہربانیاں میرے ساتھ اُسی نے اور صرف اُسی نے کی ہیں۔

فتبارك الله احسن الخالقين

خدا کی صفات

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، خدا کی ہستی کا علم تو انسانوں کے لئے وجدانی، فطری اور بدیہی علم ہے ۔یعنی صرف اتنی سادی سی حقیقت کہ ہمارا اور اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے اور چلانے والا ہے۔ ہر آدمی کیلئے یہ اتنی ہی روشن اور اتنی ہی یقینی ہے جتنی کہ اس کی نظر میں خود اپنی ہستی اور اپنا وجود۔ لیکن آگے یہ بات کہ وہ ہستی کیسی ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟ اگرچہ اس کا جاننا ہمارے لئے ضروری ہے (کیونکہ اسکے بغیر نہ خدا کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہم اس کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت کو جان سکتے ہیں) لیکن انسان بطور خود اس کی دریافت سے عاجز ہے۔ الغرض انسان کیلئے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے اور جن کا صحیح علم حاصل کرنے میں وہ اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی رہنمائی کا محتاج ہے، ان میں سے ایک صفات الٰہی کا مسئلہ بھی ہے۔

نزول قرآن کے وقت خدا کی ہستی کا عقیدہ تو قریب سب قوموں میں اور سب مذاہب میں موجود تھا، لیکن اس کی صفات کا صحیح تصور کہیں بھی نہیں تھا اور اس بارے میں دنیا بڑی سخت غلطیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھی۔ اس وقت کے بڑے بڑے مذاہب اور ان کی ماننے والی قومیں اور ان کی بنیادی کتابیں آج بھی موجود ہیں، یا کم سے کم ان کے بارے میں گواہی دینے والی تاریخ موجود ہے، تھوڑا سا وقت اور تھوڑی سی محنت صرف کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ خدا کے متعلق انکے تصورات کتنے غلط اور کتنے پست تھے اور ان مذہبوں یا فلسفوں کے ماننے والے جو اب تک دنیا میں موجود ہیں، وہ صفات الٰہی کے بارے میں کیسی کیسی گمراہیوں میں آج تک بھی مبتلا ہیں۔ بہر حال قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم کے ذریعے اقوام و مذاہب کے جن سنگین غلطیوں کی اصلاح اور تصحیح کی ہے، ان میں سے ایک صفات الٰہی کا مسئلہ بھی ہے۔

قرآن مجید نے اس بارے میں جو کچھ دنیا کو بتایا ہے، اس کی صحیح قدر و قیمت جاننے کے لئے بلکہ اسکو سمجھنے کے لئے بھی کم از کم اجمالاً ہی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ دنیا کے اقوام و مذاہب نزول

قرآن کے وقت خدا کی صفات کے بارے میں کیسی غلط فہمیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھے اور خدا کو کیسا سمجھتے تھے؟

تفصیل تو ان مذاہب کی تاریخ سے متعلق کتابوں ہی میں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں تو ہم بس ان چند اصولی گمراہیوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں نزول قرآن کے وقت خدا کو ماننے والی دنیا عام طور سے مبتلا تھی۔

بہت سی قومیں اس دنیا کو ایک خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا ماننے کے باوجود اس وہم میں مبتلا تھیں کہ جس طرح دنیا میں ایک بادشاہ یا راجہ ہوتا ہے لیکن ملک اور حکومت کے کام زیادہ تر وہ خود نہیں کرتا بلکہ اسکے وزراء اور دیگر ماتحت لوگ کرتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں اسی طرح خدا کا بھی معاملہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب براہ راست خدا خود نہیں کرتا بلکہ اسکی مقرب کچھ اور روحانی ہستیاں (دیوی دیوتا) ہیں جن کو اس نے بہت سے کام اور بہت سے اختیارات سپرد کر رکھے ہیں اور ان کاموں کو وہی انجام دیتے ہیں اور اسی لئے لوگوں کی بھلائی یا برائی کا تعلق عملی طور پر ان ہی دیوتاؤں کی خوشی یا ناخوشی سے ہے۔

نیز اسی قسم کی گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس طرح دنیا کے بادشاہوں، راجاؤں، مہاراجوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بعض لوگوں سے رشتۂ قرابت کا یا پیار و محبت کا ایسا تعلق ہوتا ہے کہ وہ ان کی کسی خواہش اور کسی سفارش اور کسی بات کو رد نہیں کرسکتے بلکہ جو وہ چاہیں وہی کرنا پڑتا ہے، اسی طرح معاذاللہ! خدا کا بھی بعض خاص ہستیوں سے ایسا تعلق ہے، جو وہ خدا سے کرانا چاہیں وہ خدا کو چار و ناچار کرنا ہی پڑتا ہے۔ بعض قوموں کی گمراہی یہ تھی کہ وہ خدا کا تصور مادی شکل و صورت اور مادی صفات کے ساتھ کرتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ مثلاً غم و مسرت اور رنج و راحت جیسے طبعی حالات جو انسانوں پر آتے ہیں، یہ سب خدا پر بھی آتے ہیں اور انسانوں پر ان حالات کے جو اثرات پڑتے ہیں وہی خدا پر بھی پڑتے ہیں، اور انسان ان حالات سے متاثر ہو کر جیسے کام کرتا ہے ویسے ہی افعال اللہ تعالیٰ سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔

عام مشرک اور بت پرست قوموں کے خیالات خدا کے بارے میں کچھ ایسے ہی تھے اور ان کے شرک کی بنیاد ان ہی غلط اور گمراہانہ خیالات پر تھی۔

ان کے علاوہ بعض قومیں خدا کو قہر و غضب اور جلال و جبروت سے بھرپور ایک ایسے مطلق العنان بادشاہ کی طرح سمجھتی تھیں جس کا کوئی اصول اور آئین نہ ہو اور جو غصہ اور ناراضی کے وقت اپنے غیظ و غضب کی تسکین کیلئے لوگوں پر بے حساب تباہیاں اور بربادیاں نازل کرتا ہو اور رحم اور

درگزر سے اس کی فطرت خالی ہو۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان سب گمراہیوں کی بلکہ انکے علاوہ اور بھی جو گمراہیاں خدا کی صفات کے بارے میں اقوام ومذاہب میں تھیں (اور اسی طرح جو آج بھی ہیں) ان سب کی یا کم از کم ان میں سے اکثر کی اساس وبنیاد صرف یہ ہے کہ دنیا کی نظر میں سب سے بڑی چیز بادشاہی تھی اور سب سے بڑی ہستیاں بادشاہوں کی تھیں، اس لئے جو باتیں اور جو صفتیں بادشاہوں میں ہوتی تھیں، ان ہی کو زیادہ بڑے اور اونچے پیمانے پر خدا میں مان لیا گیا تھا اور الوہیت کو شاہیت سمجھنے کے اس مغالطے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ خدا کا تصور عام طور سے بس قہر اور غضب اور جلال وجبروت ہی کے ساتھ کیا جاتا تھا اور اس کو دہشت اور خوف ہی کی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس سے بس ڈرا ہی جاتا تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے نزول قرآن سے کئی صدیاں پہلے اسی غلطی کی اصلاح کیلئے اللہ کی صفت رحمت پر بہت زیادہ زور دیا، اور اسکو سمجھانے کیلئے (جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے) باپ کی محبت وشفقت کی تمثیل وتعبیر سے کام لیا لیکن کچھ مدت کے بعد ان کی ماننے والی امت کی کجروی نے اسی سے ابنیت اور کفارہ کے عقیدے پیدا کر لئے۔ بہر حال مسیحی امت میں ابنیت اور کفارہ کے عقیدے صفات الٰہی کے غلط تصور ہی سے پیدا ہوئے۔

الغرض خدا کی صفات کے بارے میں اس قسم کی غلطیوں اور گمراہیوں میں نزول قرآن کے وقت دنیا کی عام قومیں اور امتیں مبتلا تھیں۔ اب ذرا دیکھئے کہ قرآن نے آکر اس بارے میں دنیا کو کیا بتلایا۔

سورۂ فاتحہ جس سے قرآن مجید شروع ہوتا ہے، اس میں سب سے پہلے خدا کی صفات کی رونمائی اس طرح کرائی گئی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ (الفاتحہ: ۱ تا ۳)

ترجمہ: ساری حمد وستائش اس اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو سب کائنات کا پروردگار ہے۔ بیحد رحمت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ جزاء اور انصاف کے دن کا مالک ہے۔

پہلی صفت (رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) نے یہ بتلایا کہ کائنات کے ساتھ خدا کا تعلق صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اس کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے، بلکہ پیدائش کے بعد جس کو جو کچھ بھی مل رہا ہے اور جس طرح بھی اس کی پرورش ہو رہی ہے، وہ سب براہ راست اسی کی طرف سے ہے، وہی سب کی تربیت اور پرورش کر رہا ہے، حتیٰ کہ درختوں کو بظاہر ہوا، پانی اور زمین سے جو غذا ملتی ہے، جس سے

ان کی حیات اور ان کا نشو ونما ہے اور بچہ کو ماں کے پستانوں سے جو دودھ ملتا ہے، تو یہ سب بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی ربوبیت ہے اور اصل دینے والا وہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہے کہ خود پیدا کر کے اور وجود دیکے پرورش (یعنی ضروریات مہیا کرنے کا کام) کسی اور کے سپرد کر دیا ہو، بلکہ جس طرح پیدائش اسی کے پیدا کرنے سے ہے، اسی طرح سب کی پرورش بھی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اور اس کی ربوبیت اور پروردگاری کا کائنات کے ہر ذرہ سے براہ راست تعلق ہے۔

دوسری اور تیسری صفت (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) نے بتلایا کہ جس خدا کو لوگوں نے صرف قہار اور جبار سمجھ رکھا ہے وہ تو بے حد رحمت والا نہایت ہی مہربان ہے اور مخلوق کو وجود بخشنا اور پھر اس کی پرورش کرنا اور اس کی ضروریات مہیا کرتے رہنا اسکی رحمت ہی کا کرشمہ ہے اور رحمت کی صفت اس میں اتنی ہے کہ اس کے بیان کرنے لئے "الرَّحْمٰنِ" کہنے کے بعد "الرَّحِيْمِ" کہنے کی بھی ضرورت ہے۔

چوتھی صفت (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) نے بتلایا کہ سب کا پروردگار اور رحمٰن ورحیم ہونے کے ساتھ وہ عادل اور انصاف کرنے والا بھی ہے اور اسکی اس صفت کا پورا پورا ظہور اس دن ہو گا جو خالص انصاف اور جزاء وسزا ہی کا دن ہو گا، گویا اس صفت کو بیان کر کے سب کو خبردار کر دیا گیا کہ اس کی پروردگاری اور انتہائی رحمت اور مہربان کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ وہ مجرموں کو بھی سزا نہ دے گا اور اس ماں کی طرح جو نالائق بیٹے پر بھی پیار کرنے پر اپنی مامتا سے مجبور ہوتی ہے، مجرموں اور نافرمانوں پر بھی وہ رحمت ہی کرے گا۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ رب اور الرحمٰن اور الرحیم ہونے کے ساتھ وہ جزا وسزا دینے والا بھی ہے اور ایک آنے والے دور میں اسکی اس صفت کا ایسا ظہور ہونے والا ہے کہ وہ پورا دور ہی صرف جزا وسزا کا دور ہو گا یعنی وہ دنیا نہ کھانے کمانے کی دنیا ہو گی، نہ عبادت کرنے کی دنیا ہو گی، بلکہ صرف جزا وسزا اور انصاف وعدالت کی دنیا ہو گی۔ اسی لئے اسے "یوم الدین" کہا گیا ہے۔

قرآن مجید نے اپنے بالکل ابتدائی ان چھوٹے چھوٹے تین بولوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جو کچھ بیان کر دیا ہے، اگر غور کیا جائے اور اسکی گہرائیوں میں اترا جائے تو صرف اتنا بھی ناکافی نہیں ہے، لیکن قرآن پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے اور اسکے بعد کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے، اس لئے اس قسم کے کسی بھی اہم مسئلہ میں اس نے اختصار اور کفایت سے کام نہیں لیا ہے اور بلا مبالغہ ہزاروں جگہ۔ واقعتاً ہزاروں جگہ۔ اس میں خدا کی صفات پر

روشنی ڈالی گئی ہے، چند آیتیں ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں۔ ناظرین کی سہولت کے لئے ہم صفات کے عنوانات قائم کرکے ان کے متعلق آیات درج کریں گے۔

اللہ تعالیٰ علیم کُل ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں

قرآن کریم بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھوٹی بڑی اور کھلی چھپی چیز کا علم ہے، وہ سب دیکھتا اور سنتا ہے، وہ ہر ایک کے قریب اور ہر ایک کے ساتھ ہے۔ سورہ آل عمر آن میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (آل عمران: ۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (علیم کُل ہے،) زمین اور آسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہی بات کچھ اور اضافہ کے ساتھ سورۂ انعام میں یوں بیان فرمائی گئی ہے:

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ (الانعام:۳)

ترجمہ: اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں (یعنی زمین وآسمان کی ساری کائنات کا وہی خدا ہے، وہی مالک اور رب ہے،) وہ تمہاری چھپی اور کھلی سب باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اسکو اس کا بھی پورا علم ہے۔

نیز اسی سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کی اسی صفت کو آگے ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ (الانعام: ۷۳)

ترجمہ: وہ غیب اور شہادت سب کا جاننے والا ہے اور (اس علم کل کے ساتھ) حکمت بھی رکھتا ہے اور ہر چیز اور ہر بات سے ہر وقت باخبر رہنے والا ہے۔

اور سورۂ قصص میں یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۶۹ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص:۶۹ تا ۷۰)

ترجمہ: اور تمہارا رب جانتا ہے ان رازوں کو بھی جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور ان باتوں اور ان کاموں کو بھی جو وہ علانیہ کرتے ہیں اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اسی کے لئے ساری حمد اور ستائش ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کے ہاتھ میں حکم ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے۔

سورہ یونس میں ارشاد فرمایا:

وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ ؕ وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ (یونس: ٦١)

ترجمہ: اور تم کوئی کام نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم تمہارے پاس اس وقت موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں لگے ہوتے ہو (یعنی تم جو کچھ بھی کرتے ہو ہماری آنکھوں کے سامنے کرتے ہو اور تم اگرچہ نہیں دیکھتے مگر ہم وہیں موجود ہوتے ہیں اور سب کچھ دیکھتے ہیں) اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی تمہارے رب سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

اور بندوں سے اپنا قرب بیان فرمانے کے لئے سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ ؕ (البقرہ: ١٨٦)

ترجمہ: اور اے پیغمبر! جب میرے بندے تم سے میرے بابت دریافت کریں، تو (انہیں بتاؤ کہ) میں ان سے قریب ہی ہوں۔

اور سورہ قٓ میں فرمایا گیا:

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ (ق: ١٦)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو وساوس اور خیالات آتے ہیں، ہم ان کو بھی جانتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔

اور سورہ مجادلہ میں بندوں کے ساتھ اپنے اسی قرب و معیت کا بیان اس طرح فرمایا:

مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ وَلَا خَمۡسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ وَلَاۤ اَدۡنٰى مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمۡ اَيۡنَ مَا كَانُوۡا (المجادلہ: ٧)

ترجمہ: کہیں نہیں ہوتا تین کا خفیہ مشورہ مگر اللہ ان کا چوتھا وہاں ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر

اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔

اور سورۂ نساء میں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آدمیوں سے شرم کرتے ہیں، لیکن اللہ سے شرم نہیں کرتے، فرمایا گیا:

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ (النساء:۱۰۸)

ترجمہ: وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے ہیں اللہ سے، حالانکہ وہ ہر حال میں اور ہر وقت انکے ساتھ ہے۔

ان آیات کے علاوہ قرآن پاک نے اتنے مقامات پر کہ ان کا شمار کرنا بھی آسان نہیں، اللہ تعالیٰ کی اسی علم کُل کی صفت کو علیم، خبیر، سمیع، بصیر، شہید، محیط کے الفاظ سے بیان کیا ہے، ان تمام آیات کا حاصل بھی یہی ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے، ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے، کوئی چیز اور کسی کا کوئی عمل اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور علم کُلی کی طرح اس کے کمال قدرت کو بھی قرآن پاک نے طرح طرح سے اور اتنے مقامات پر بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ کی آیات کا بھی شمار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" اور "و اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جن کو موقع بہ موقع پچاسوں جگہ دوہرایا گیا ہے اور بہت سے مقامات پر اس کی قدرت کے کمال کو دوسرے عنوانات سے بیان فرمایا گیا ہے، ذرا ذیل کی آیات پڑھئے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (ابراہیم:۱۹تا۲۰)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے، نہیں جانتے کہ اللہ نے بنائے آسمان وزمین ٹھیک ٹھیک جیسا کہ چاہئے تھے (اور اس میں یہ قدرت ہے کہ) اگر چاہے تو فنا کردے تم کو اور لے آئے (تمہاری جگہ) نئی مخلوق اور اللہ کے لئے یہ ذرا بھی مشکل نہیں۔

اسی کو سورہ نساء میں یوں فرمایا گیا:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (النساء:۱۳۱ تا ۱۳۲)

ترجمہ: اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ کافی ہے کارساز، اے لوگو! وہ چاہے تو تم کو فنا کردے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور اللہ کو اس پر پوری قدرت ہے۔

اور سورۂ انعام میں فرمایا گیا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ (الانعام:۴۶)

ترجمہ: اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ بتاؤ اگر اللہ تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے، تو کون خدا ہے، اس کے سوا جو تمھیں یہ چیزیں لادیوے۔

اور سورۂ یٰس میں اس کی قدرت کی کچھ نشانیاں ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰس:۸۲ تا ۸۳)

ترجمہ: اس کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو بس کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے، پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

سورۂ فاطر میں فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا (فاطر:۴۴)

ترجمہ: اللہ نہیں ایسا کہ زمین وآسمان میں کوئی چیز اس کے بس سے باہر جاسکے، وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

بہر حال قرآن مجید خالقِ ہستی کے متعلق جو کچھ لوگوں کو بتانا چاہتا ہے اور اسکی جن صفات سے

انسانوں کو خاص طور سے روشناس کرانا چاہتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسکی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے کسی ارادہ کو پورا کرنے میں وہ نہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ اسے آلات واسباب کی ضرورت ہے، وہ صرف اپنی مشیت کے اشارہ سے اور صرف اپنے ارادہ اور فیصلہ سے سب کچھ کر سکتا ہے۔

وہی سب کا خالق ورازق اور پروردگار کارساز ہے

اور وہی اپنے حکم سے اس کارخانہ ہستی کو چلا رہا ہے

قرآن مجید بڑے زور کے ساتھ اور بڑے تفصیل سے یہ بھی بتلاتا ہے اور دلوں میں اس کا یقین پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ساری کائنات کو پیدا اور نیست سے ہست بھی خدا نے کیا ہے اور وہی اس کا رخانۂ عالم کے سارے نظام کو بلا شرکت غیرے چلا رہا ہے۔ زندگی اور رزق وغیرہ ، زندگی کے جو سامان جس کو مل رہے ہیں، وہ اللہ ہی دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ زندگی کی ضروریات اور نہ اس کا سامان ہے، بلکہ وہی جس کو جب تک جتنا دینا چاہتا ہے، دیتا ہے اور جس کو دینا نہیں چاہتا، نہیں دیتا۔

قرآن مجید کا کافی حصہ اسی مضمون سے متعلق ہے، چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی یہاں پڑھ لیجئے ۔ سورۂ اعراف میں فرمایا:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف:۵۴)

ترجمہ: سن لو! اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم چلانا، بابرکت ہے اللہ جو پروردگار ہے ساری کائنات کا۔

اور سورۂ زمر میں فرمایا:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (الزمر:۶۲ تا ۶۳)

ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا ذمہ دار ہے، زمین وآسمان (کے خزانے اور ان) کی کنجیاں اسی کے قبضہ اور تصرف میں ہیں۔

اور سورۂ روم میں مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (الروم:۴۰)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تمہارا رازق ہے، پھر (وقت آنے پر) وہی تم کو موت دے گا اور پھر تم کو وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے ان شریکوں (جن کو تم عبادت اور دعا میں خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو) کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ پاک ہے وہ اللہ اور برتر ہے ان کے شرک سے اور شریکوں سے۔

اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (الشوریٰ:۱۱تا۱۲)

ترجمہ: وہ اللہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اسی نے تم میں سے تمہارے واسطے جوڑے بنائے اور چوپایوں میں سے جوڑے بنائے، وہی تمہیں زمین میں پھیلا اور بڑھا رہا ہے، نہیں ہے اس کی مثال کوئی، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (سب کی سنتا اور سب کو دیکھتا ہے) زمین و آسمان (کے خزانے اور ان) کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے، روزی میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے، تنگی کرتا ہے، وہ سب کچھ خوب جانتا ہے۔

اور سورۂ ابراہیم میں فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝۳۲ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝۳۳ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا

تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم:۳۲تا۳۴)

ترجمہ: اللہ ہی وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی، پھر پیدا کئے اس کے ذریعے غلّے اور میوے تمہاری روزی کے لئے اور تمہارے قابو میں کیا کشتیوں کو کہ اسکے حکم سے (تمہارے کاموں میں) سمندر میں رواں دواں رہتی ہیں اور اس نے تمہارے کام کے لئے بنایا نہروں ندیوں کو (جن میں تم اپنی کشتیاں دوڑاتے ہو اور انکے پانی سے اپنے بہت سے کام کرتے ہو) اور اس نے تمہارے کام میں لگایا ہے سورج اور چاند کو جو برابر ایک نظام کے مطابق چلتے رہتے ہیں (اور جن سے تمہارے بہت سے منافع وابستہ ہیں) اور اسی نے تمہارے کام کے لئے بنایا ہے دن اور رات کو (یعنی اس نے دن اور رات کا نظام ایسا قائم کیا جیسا کہ تمہاری ضروریات اور مصالح کا تقاضا تھا اور صرف یہی چیزیں تمہاری ضروریات کی اس نے نہیں بنائی ہیں، بلکہ انکے علاوہ بھی جو تمہاری زندگی کی ضرویات تھیں) اور زبان حال یا زبان قال سے جو کچھ تم نے اس سے مانگا، اس میں سے تم کو اس نے دیا اور (اس کے اسی فضل و کرم سے تمہاری زندگی کا نظام چل رہا ہے اور تم پر اس کے اتنے احسانات ہیں کہ اگر تم شمار کرو تو نہ کر سکو گے، واقعہ یہ ہے کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اور سورۂ مومنون میں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَاِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (المومنون:۷۸تا۸۰)

ترجمہ وہی اللہ ہے جس نے تمہارے (سننے کے لئے) کان، (دیکھنے کیلئے) آنکھیں اور (سوچنے سمجھنے کیلئے) دل پیدا کئے (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو اور وہی ہے جس نے تم کو (اس زندگی میں) زمین میں پھیلایا اور بڑھایا ہے اور (یہاں سے جانے کے بعد) تم سب اسی کی طرف لے جائے جاؤ گے اور وہی ہے جو جِلاتا اور مارتا ہے (یعنی اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا نظام ہے) اور اسی کا کام ہے رات دن کا الٹ پھیر اور یکے بعد دیگرے ان کی آمد و رفت، تو کیا تم عقل و خرد سے بالکل کام نہیں لیتے (اور نہیں سوچتے کہ تمہار

اور یہ اس خالق ومالک اور محسن کے ساتھ کیا ہونا چاہئے)

اور سورۂ مومن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (المومن:۶۴)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو مستقر بنایا اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کیا اور اس نے تمہاری صورت گری کی ایسی اچھی صورتیں بنائیں اور نفیس نفیس غذاؤں سے تمہیں رزق دیا، وہی اللہ تمہارا رب ہے، بڑی برکت اور عظمت والا ہے، جو ساری کائنات کا پروردگار ہے۔

اور سورۂ انعام میں فرمایا:

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ (الانعام:۱۶۴)

ترجمہ: کہو! اللہ کے سوا کسی اور کو میں اپنا رب بناؤں، حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور اس کی طرف سے سب کی پروردگاری ہو رہی ہے۔

اور سورۂ جاثیہ میں ارشاد فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (الجاثیہ:۳۶تا۳۷)

ترجمہ: پس ساری حمد وستائش صرف اللہ ہی کیلئے ہے (اور اسکے سوا کسی کیلئے حمد سزاوار نہیں، کیونکہ تنہا وہی ہے) جو زمین وآسمان اور ساری کائنات کا رب ہے اور سب اسکی پرورش سے فیضاب ہیں۔ آسمان وزمین میں عظمت وکبریائی بھی صرف اسی کیلئے ہے اور وہ زبردست اور ہر کام اور فیصلہ حکمت سے کرنے والا ہے۔

وہی ساری کائنات کا بادشاہ اور فرماں روا ہے، سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے

یہ بھی قرآن مجید کے ان مضامین میں سے ہے جن کو اتنی کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہ شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ صرف نمونہ کے طور پر ذیل کی چند آیتیں پڑھ لیجئے! ارشاد ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران: ۲۶)

ترجمہ: کہو! اے اللہ سارے ملک اور ساری کائنات کے مالک! تو ہی ہے جس کو چاہے حکومت و بادشاہت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے تو چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوائی اور ذلت دے، ہر خیر اور ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی قبضہ اور اختیار میں ہے (اور صرف خیر اور بھلائی ہی نہیں بلکہ) ہر چیز (بھلی ہو یا بری) تیری قدرت میں ہے۔

اور سورۂ توبہ میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ (التوبہ: ۱۱۶)

ترجمہ: بیشک اللہ اور صرف اللہ ہی کی فرمانروائی اور بادشاہت ہے آسمانوں و زمین میں، وہی زندگی دیتا ہے وہی مارتا ہے اور اس کے سوا کوئی بھی تمہارا حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (المائدہ: ۱۲۰)

ترجمہ: آسمان و زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز کی بادشاہت اور حکومت اللہ ہی کیلئے ہے، سب پر اسی کی فرمانروائی ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔

اور سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کی اسی ہمہ گیری بادشاہت اور قدرت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ

لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (الشوریٰ: ۴۹ تا ۵۰)

ترجمہ: اللہ ہی کی حکومت اور اسی کا راج ہے آسمانوں اور زمین میں، پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، یا ان دونوں صنفوں ذِکور واناث کو جمع کر دیتا ہے اور رکھتا ہے جسکو چاہتا ہے بے اولاد، وہ سب کچھ جاننے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

اور سورۂ مومنوں میں فرمایا:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المومنون: ۱۱۶)

ترجمہ: پس عالیشان اور برتر ہے وہ ہستی جو حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، عرش عظیم کا مالک ہے۔

اور سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ کی شان اور بندوں پر اسکے انعامات تفصیل سے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (فاطر: ۱۳ تا ۱۷)

ترجمہ: یہ اللہ تمہارا پروردگار، صرف اسی کی بادشاہی اور اسی کا اختیار ہے اور اسکے سوا تم جن سے دعائیں کرتے ہو اور اپنی حاجتوں میں جن کو پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جیسی کسی حقیر چیز کے بھی مالک اور مختار نہیں، اگر تم ان سے دعا کرو تو وہ تمہاری دعا نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو قبول نہ کر سکیں (یعنی تمہارا کام نہ کر سکیں) اور قیامت کے دن وہ انکار کریں گے تمہارے اس شرک سے اور یہ باتیں نہیں بتلائے گا تم کو کوئی علیم وخبیر کی طرح۔ اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور صرف اللہ ہی ہے جو غنی اور سب سے مستغنی ہے اور وہی لائق حمد ہے (اسے سب کچھ اختیار ہے)۔ اگر چاہے

تو تمہیں ایک دم فنا کر دے، اور نئی مخلوق لے آئے اور اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل بات نہیں۔

اور سورۂ فرقان میں اللہ کی لاشریک حکومت و بادشاہی اور اولاد سے بھی اس کی پاکی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (الفرقان:۲)

ترجمہ: وہ اللہ جس کی بادشاہی اور جس کا راج ہے آسمان و زمین میں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور کوئی نہیں اس کا شریک حکومت اور بادشاہت میں۔

کسی اور کے اختیار میں کچھ بھی نہیں

اور کہیں کہیں اللہ تعالیٰ کی اسی شان اور صفت کے بیان میں یہ منفی عنوان اختیار کیا گیا ہے کہ اسکی خدائی میں اسکے سوا کسی کو کچھ بھی اختیار نہیں اور کوئی بھی ہستی اسکے سوا ایسی نہیں جسکے قبضہ اور اختیار میں کچھ ہو اور جو کسی کچھ دے سکے یا اس سے کچھ چھین سکے۔ مثلاً سورۂ احزاب میں فرمایا گیا:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا (الاحزاب:۱۷)

ترجمہ: اے نبی! آپ ان مشرکوں سے کہئے: بتاؤ! وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ کسی بُری حالت میں تمہیں مبتلا کرنا چاہئے، یا تمہارے ساتھ کچھ مہربانی کا ارادہ کرے اور نہیں پا سکتے وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور مددگار۔

اور سورۂ فاطر میں فرمایا:

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (فاطر:۲)

ترجمہ: اللہ اپنے بندوں کیلئے جس رحمت کا دروازہ کھولے، اس کو کوئی روک سکنے والا نہیں اور وہ جو کچھ روکے اس کو کوئی جاری کر سکنے والا نہیں، سوا اسکے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور سورۂ انعام میں فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ (الانعام:۴۶)

ترجمہ: اے نبی! آپ ان سے کہئے: بتلاؤ! اگر اللہ تمہاری شنوائی کی طاقت اور تمہاری بینائیاں چھین لے اور تمھیں اندھا بہرا بنادے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے (یعنی فکر و فہم کی صلاحیت سلب کرلے اور تمہاری عقلیں مسخ کردے) تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دے سکے؟

اور سورۂ ملک میں فرمایا:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ (الملک:۲۱)

ترجمہ: اللہ اپنا رزق روک لے اور بند کردے، تو وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے؟

پھر اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (الملک:۳۰)

ترجمہ: اے نبی! ان سے کہئے: بتلاؤ کہ تمہارا پانی (جو کنوؤں کی تہہ سے نکلتا ہے) اگر غائب ہوجائے (یعنی اللہ اسے بالکل غائب اور معدوم کردے) تو کون تمہارے لئے زمین کے سوتے کا پانی لاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے، گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنیوالا ہے

جیسا کہ چند ورق پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ خدا کے بارے میں بہت سی قومیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ انہوں نے اس کو ایک جلالی شہنشاہ سمجھا جو قہر و غضب سے بھرپور ہے اور جس کو راضی اور خوش کرنا بڑا ہی مشکل ہے، گویا عام انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور جس کے پاس گنہگار اور خطاکار بندوں کے لئے بس لعنت ہی لعنت ہے اور غضب ہی غضب اور عذاب ہی عذاب ہے۔

اور اگر وہ رحیم اور مہربان ہے بھی تو اس کی رحمت اور مہربانی بس کسی خاص خاندان یا خاص نسل اور قوم کیلئے محدود ہے، باقی ساری دنیا کیلئے وہ بڑا سخت اور جبار و قہار حاکم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ خدا کے بارے میں یہی غلط فہمی اور گمراہی بہت سی قوموں کے شرک کا سبب بنی ہے، انہوں نے اپنے کو دیکھا کہ ان کی زندگی گناہوں سے پاک نہیں ہے اور اس دنیا میں نیکی اور پاکی والی زندگی گزارنا گویا انکے بس کی بات ہی نہیں ہے اور اپنی جہالت سے انہوں نے سمجھا کہ خدا ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ خطاکاروں اور گنہگاروں پر وہ ہرگز رحم اور مہربانی نہیں کر سکتا، اس لئے وہ خدا کی طرف سے تو بالکل ناامید ہو گئے اور شیطان نے انکے کان میں پھونکا کہ خدا کی مخلوق میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے اللہ کی بڑی مقرب اور بڑی پیاری ہیں اور اللہ نے انہیں بھی بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے اور ان میں خدا کا سا جلال اور غصہ بھی نہیں ہے اور انہیں راضی کرنا خدا کی طرح زیادہ مشکل بھی نہیں ہے، اس لئے انکے دامنوں میں تم جیسے گنہگاروں کو بھی پناہ مل سکتی ہے اور ان سے تعلق جوڑنے سے خدا کے عذاب اور گرفت سے بچا بھی جا سکتا ہے۔

بس اسی کو انہوں نے آسان سمجھا اور خدا سے ناامید ہو کر شیطان کی بتلائی ہوئی ان ہستیوں کی تعظیم و عبادت اور انکے نام کی نذر و نیاز اس امید پر کرنے لگے کہ انکی مہربانی سے ہم سرسبز رہیں گے اور انکی توجہ اور عنایت سے ہمارے کام بنتے رہیں گے اور خدا کی گرفت اور اسکے عذاب سے بھی انکا یہ تعلق ہمیں بچا لے گا۔

الغرض اکثر مشرک قوموں کے حالات اور خیالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شرک میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ انکی یہی گمراہی رہی ہے کہ خدا کی رحمت و بخشش اور جود و کرم کی صفت کو انہوں نے نہیں جانا اور اس کو صرف قہار و جبار اور نہایت سخت گیر قسم کا جلالی بادشاہ سمجھ کر اسکی طرف سے ناامید ہو گئے اور شیطان کی بتلائی ہوئی واقعی یا محض فرضی اور وہمی ہستیوں کو انہوں نے اپنی امیدوں کو قبلہ بنالیا۔ اگر وہ خدا کی رحمت کی بے انتہا وسعت اور اس کی غفاریت اور بخشش کی شان سے واقف ہوتے، تو اس شرک میں ہرگز گرفتار نہ ہوتے۔ اسی لئے قرآن مجید میں جو اس دنیا کیلئے آخری ہدیت نامہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس شان اور اس صفت کو بہت زیادہ اجاگر کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیرایوں میں اللہ کی شانِ رحمت و رافت اور بخشش و غفاریت اور مخلوق کے ساتھ اسکی عنایت و محبت کو بیان فرمایا گیا ہے، جن خوش بختوں کو قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق ہوتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی جگہ اللہ تعالیٰ کو غفورٌ، رحیمٌ،

رؤفٌ رحیمٌ، توابٌ رّحیم، خیرالرّاحمین کی صفات سے یاد کیا گیا ہے یہاں تک کہ " بسم اللہ" جو قرآن مجید کا سرنامہ ہے، اس میں اسکی صفت رحمت ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح اس کی بالکل ابتدائی آیتوں میں سب سے پہلے اس کی صفت ربوبیت اور رحمت ہی کا تعارف کرایا گیا ہے، فرمایا گیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢

اس اجمالی بیان کے بعد چند آیتوں پر ذرا تفصیلی نظر بھی ڈال لیجئے! سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:۱۶۳)

ترجمہ: اور تم سب کا خدا ایک ہی خدا ہے، اسکے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ،وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اور سورہ آل عمر آن میں ایک جگہ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اچھے بُرے اعمال کا انجام اسکے سامنے آنے والا ہے اور اس وقت ہر آدمی اپنے اعمال کی جانچ اور اپنے نتیجۂ عمل سے سخت ہراساں ہو گا، ارشاد فرمایا:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران:۳۰)

ترجمہ: اور خدا تمھیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے اور خدا بندوں کے ساتھ نہایت مہربان ہے۔

گویا قرآن مجید نے اس موقع پر بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو آخرت کے مواخذہ سے اور قیامت کے دن کی پکڑ سے ڈرانا بھی اس کی رحمت اور مہربانی ہی کا تقاضا ہے، جس طرح کہ شفیق ماں باپ اپنی اولاد کو بُرے کاموں کی بد انجامی سے ڈراتے اور آنے والے خطرات سے ہوشیار کرتے رہتے ہیں۔

اور بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اسی مہربانی اور شفقت کی صفت کو سورۂ شوریٰ میں ایک جگہ ان لفظوں میں بیان فرمایا گیا ہے :

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ (الشوریٰ: ۱۹)

ترجمہ: اللہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت نرم معاملہ کرنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ نحل میں بندوں پر اپنے بعض ایسے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمانے کے بعد جن سے اس دنیا میں ہر قسم کے لوگ متمتع ہورہے ہیں، ارشاد فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل:۷)

ترجمہ: یقین کرو کہ تمہارا پروردگار بڑا ہی مہربان اور نہایت رحم والا ہے (اور یہ اس کی مہربانی اور رحمت ہی کا کرشمہ ہے کہ تمہیں اس دنیا میں یہ آرام مل رہے ہیں)۔

اور سورۂ انعام میں ایک جگہ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ بندے جو اچھے بُرے عمل کرتے ہیں اللہ ان سے پوری طرح باخبر ہے، ارشاد فرمایا:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ (الانعام:۱۳۳)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار سب سے بے نیاز ہے (اسے کسی کی پروا نہیں اور کسی سے اسکی کوئی حاجت اٹکی ہوئی نہیں، ہاں) اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر کے تمہارے بعد جسے چاہے تمہاری جگہ دنیا میں آباد کرے۔

سورۂ کہف میں ایک موقعہ پر فرمایا:

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِلًا (الکہف:۵۸)

ترجمہ: اور تیرا رب بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے، اگر وہ ان کے اعمال پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ان کے لئے عذاب بھیج دیتا، بلکہ ان کے واسطے ایک وقت معین کر رکھا ہے اور وہ اسکے سوا کوئی جائے پناہ نہیں پاسکتے۔

مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جو یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے شریر اور سرکش اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اسکی مقرر کی ہوئی حدود کو توڑتے ہیں، اس کے احکام کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اسکے باوجود زندہ رہتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ان پر کوئی عذاب نہیں آتا، نہ ان پر آسمان سے بجلی گرتی ہے اور نہ زمین انہیں نگلتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ اللہ کی صفت رحمت اور بخشش ہی کا صدقہ ہے، اگر اللہ اپنے بندوں پر اتنا مہربان نہ ہوتا تو ایسے بدکاروں نافرمانوں پر فوراً عذاب آجایا کرتا اور انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی، لیکن چونکہ وہ بندوں کے ساتھ مغفرت اور رحمت کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس نے سب گنہگاروں کو اس دنیا کی پوری زندگی میں مہلت دینا طے کر دیا ہے تاکہ جو بھی ان میں سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگ کے اور اپنے رویہ کو درست کر کے کسی وقت اللہ کو راضی کرنا چاہے تو کر سکے اور اسکے عذاب سے بچ سکے، اسی واسطے اس نے مواخذہ اور جزا و سزا

کیلئے اس دنیوی زندگی کے خاتمہ کے بعد ایک وقت مقرر کیا ہے اور اس وقت پر سب کو وہاں حاضر ہونا ہو گا اور کسی کیلئے اس کا کوئی امکان نہیں ہو گا کہ وہ کہیں روپوش ہو کر اس وقت اور اس مقام کی حاضری سے بچ سکے اور کسی جگہ پناہ لے سکے اور اسی کو سورۂ انعام میں یوں فرمایا:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ (الانعام:۱۲)

ترجمہ: اللہ نے لازم کرلی ہے اپنے پر رحمت اور مہربانی۔ (اس لئے وہ مجرموں کو یہاں سزا نہیں دیتا بلکہ اس نے اس پوری زندگی کی سب کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ جو چاہے معافی مانگ کے اور اپنے کو درست کر کے عذاب سے بچ سکے) اس نے مقرر کیا ہے کہ (انصاف اور جزا کیلئے) تم سب کو قیامت کے دن جوڑے گا (اور اس دن ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ مل جائے گا، یہ بالکل یقینی اور اٹل بات ہے) اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

سبحان اللہ! اس آیت کا پہلا جملہ "كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ" (اللہ نے رحمت کو اپنے پر لازم اور مقرر کر لیا ہے) ہم بندوں کیلئے کتنے اطمینان اور کتنی امیدوں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسے رحمت والے پروردگار سے ناامید اگر کفر نہیں تو کیا ہے۔

اور پھر اسی سورۂ انعام میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور کیسے پیارے انداز میں فرمایا گیا ہے:

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام:۵۴)

ترجمہ: اور جب تمہارے پاس ہمارے وہ بندے آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اے پیغمبر! تم (شفقت اور محبت سے ان کا استقبال کرو اور) کہو تم پر سلام! (اور انہیں خوشخبری سناؤ کہ) تمہارے پروردگار نے اپنے پر رحمت و مہربانی کو لازم کر لیا ہے (اس لئے تمہیں مطمئن رہنا چاہئے کہ) تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا عمل کیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو بلاشبہ تمہارا رب بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

یقیناً بڑا شقی اور بدبخت ہے وہ انسان جو ایسے رحمت والے پروردگار کی رحمت سے بھی محروم رہے جو اپنے پیغمبر، رحمت عالم ﷺ کی زبان سے اپنے خطاکار اور گنہگار بندوں کو سلام کے بعد رحمت کا یہ پیام دلاتا ہے کہ " اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہو اور نہ بھاگو! اس نے تو رحمت کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے، اگر نادانی میں تم سے گناہ ہو گئے ہیں تو اب توبہ کر لو اور اپنی حالت ٹھیک کر لو، میں بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں۔" اور سورہ شوریٰ میں ایک جگہ فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (الشوریٰ:۲۵)

ترجمہ: اور وہ ہی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے (گنہگار) بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور خطاؤں سے درگزر کرتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اس سب کو پوری طرح جانتا ہے۔

اور سورۂ نساء میں زنا جیسے ناپاک اور خبیث گناہ سے آلودہ ہو جانے والے خطاکار بندوں کے متعلق ارشاد ہے:

وَالّٰتٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (النساء: ۱۶)

ترجمہ: اور تم میں سے جو اس بد فعلی کا ارتکاب کریں تو انکو سزا دو، پھر اگر وہ اس فعل حرام سے تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے تعرض نہ کرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے یہ خبیث اور حرام کام کیا ہے تو ان کو قانون کے مطابق سزا تو دی جائے لیکن اگر وہ اسکے بعد توبہ اور اپنی اصلاح کر لیں تو پھر ان سے کچھ نہ کہا جائے، کیونکہ انہوں نے دراصل اپنے جس مالک اور آقا کا گناہ کیا ہے، وہ خود توبہ کرنے والے مجرموں کو خوشی سے معاف کر دینے والا اور پھر ان کے ساتھ رحمت اور مہربانی سے پیش آنے والا ہے۔

اور اسی سورہ نساء میں آگے فرمایا اور ہر قسم کے گناہ گاروں اور خطاکاروں کو مژدہ سنایا:

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(النساء: ۱۱۰)

ترجمہ: اور جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرے اور اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کرے پھر وہ پچھتائے اور اللہ سے معافی مانگے اور بخشش چاہے تو پائے گا وہ اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا اور بڑا شفیق اور مہربان۔

اور سورۂ زمر میں اپنے کو تباہ کرنے والے خطاکار بندوں ہی کیلئے جو کچھ ارشاد فرمایا گیا اور جس شفقت اور پیار کے انداز میں انہیں پکارا گیا، وہ تو اللہ کی صفت رحمت کی ایسی منادی ہے کہ بڑے سے بڑا سیہ کار اور عمر بھر کا سخت پاپی بھی اگر دل کے کانوں سے اس کو سن لے تو بے تحاشا اللہ کے در رحمت کی طرف دوڑ پڑے، اپنے رسول رحمۃ للعلمین ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ میرے مجرم اور خطار کار بندوں کو میری طرف سے یہ پیام دو:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ
(الزمر: ۵۳ تا ۵۴)

ترجمہ: اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ و برباد کیا ہے) تم اللہ کی رحمت اور مہربانی سے ناامید مت ہو، اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ اور اب بھی رجوع ہو جاؤ اور رخ کر لو اپنے اس غفور و رحیم پروردگار کی طرف اور اس کا حکم ماننے لگو قبل اسکے کہ تمہارے گناہوں کا وبال اور عذاب تمہیں آپکڑے اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے اور کوئی تم کو بچا نہ سکے۔

اللہ کی رحمت اور مغفرت کے حقدار کون سے گنہگار ہیں؟

سورۂ زمر کی اس آیتِ رحمت سے بھی معلوم ہوا اور اس سے اوپر جو آیتیں اس مضمون کی درج کی جا چکی ہیں، (جن میں خاص طور سے گنہگاروں اور خطاکاروں کیلئے اللہ کی رحمت و مغفرت میں گنجائش کا اعلان کیا گیا ہے) ان سب سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کی وسعت اور بے پایانی کا حال تو یہی ہے کہ دنیا بھر کے بڑے سے بڑے مجرموں اور سیہ کاروں کیلئے اس میں گنجائش ہے لیکن

اسکے دروازہ میں داخلہ کی یہ لازمی شرط ہے کہ بندہ اس رحمت والے آقا کی طرف رجوع ہو اور اس کے ساتھ اپنے معاملہ کو درست کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اگرچہ اس سے پہلے اپنی ساری عمر میں باغی اور نافرمان رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ میں رحمت کے ساتھ عدالت بھی ہے

اسی لئے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ کی رحمت اور اسکی بخشش و غفاریت کے بیان کے ساتھ اسکی دوسری صفت عدالت اور سرکش مجرموں کی سزادہی کا بھی بیان فرمایا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ فاتحہ ہی میں "رب العٰلمین" اور "الرحمٰن الرحیم" کے ساتھ اسکی صفت "مالك یوم الدین" کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

اس کا مقصد اور منشا یہی ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی وسعت کے ان قرآنی اعلانوں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ اب گناہوں کی چھٹی ہے اور زندگی خواہ کیسی ہی گزاری جائے، اللہ کی رحمت کا دروازہ ہمارے لئے کھلا ہوا ہے۔

بہر حال اسی غلط فہمی سے بچانے کے لئے قرآن مجید میں جابجا رحمت کے ساتھ خدا کی صفت عدالت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ذیل کی چند آیتیں پڑھئے:

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (الانعام:۱۴۷)

ترجمہ: اے پیغمبر! اگر یہ لوگ (اس واضح بیان اور اتمام حجت کے بعد بھی) تمہاری تکذیب ہی کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے (اور اسی کی رحمت کا صدقہ ہے کہ اس نے تم کو مہلت دے رکھی ہے، لیکن یاد رہے کہ مجرموں کو سزا دینا بھی اس کا قانون ہے، اس لئے اگر تم اس باغیانہ اور مجرمانہ زندگی سے باز نہ آئے تو ضرور اسکی سخت سزا پاؤ گے) اور مجرموں پر سے اس کا عذاب ہٹا نہیں جاسکتا۔

اور سورہ حجر میں فرمایا:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر:۴۹تا۵۰)

ترجمہ: اے پیغمبر! میرے بندوں کو خبر دار کر دیجئے کہ بیشک میں بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہوں اور اسی طرح اس میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ (مجرموں کیلئے) میری سزا بھی بڑی دردناک سزا ہے۔

اور سورۂ مومن کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ (المومن:۳)

ترجمہ: وہ گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے (اور اسی کے ساتھ سرکش مجرموں کے لئے وہ) بڑی سخت سزا دینے والا ہے، سب کچھ قدرت رکھتا ہے، اسکے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے، سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اور بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کی اس صفت یعنی عدالت اور مجرموں کی سزا دہی کو دوسرے عنوانوں سے بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ قلم میں سوالیہ پیرایہ میں ارشاد ہے:

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ كَالۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝ مَا لَكُمۡ ۟ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ (قلم:۳۵تا۳۶)

ترجمہ: کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو نافرمان مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے! تم کیسے حکم لگاتے ہو، (یعنی اللہ کے متعلق تم ایسی ناانصافی اور خلافِ حکمت بات کا تصور کیسے کرتے ہو کہ وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں سلوک اور ایک جیسا معاملہ کریگا)

اور اسی کو سورہ صٓ میں فرمایا:

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالۡمُفۡسِدِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۚ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِيۡنَ كَالۡفُجَّارِ (ص: ۲۸)

ترجمہ: کیا ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں کے برابر کر سکتے ہیں، کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کر سکتے ہیں؟ (ہمارے عدل وانصاف سے یہ کیسے ممکن ہے)

اور اسی کو سورۂ جاثیہ میں یوں فرمایا:

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَلِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ (الجاثیہ: ۲۱تا۲۲)

ترجمہ: جو لوگ برائیاں کرتے ہیں، کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان بدکاروں کو اپنے ان بندوں کے برابر کر دیں گے جن کی زندگی ایمان اور اعمال صالحہ والی زندگی ہے کہ یکساں ہو ان کا جینا مرنا؟ (ایسا خیال کرنے والے احمق بڑا غلط اور) بہت برا حکم لگاتے ہیں۔ (نہیں دیکھتے کہ) اللہ نے زمین و آسمان کو (اور ساری کائنات کو) بالکل حکمت کے مطابق پیدا کیا ہے (اور وہ عالم کا سارا نظام حکمت ہی سے چلا رہا ہے، پھر اس سے ایسی خلافِ حکمت اور خلاف عدل بات کی توقع کیوں رکھتے ہیں؟) اس عالم کی تخلیق کا تو مقصد اور منشا ہی یہ ہے کہ (بندے یہاں عمل کریں اور) وقت پر ہر شخص کو اسکے کئے کی سزا ملے اور (اس جزا و سزا کے معاملہ میں ہرگز) کسی کے ساتھ کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو گی۔

بہر حال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے اور اسکی رحمت میں سب کے لئے پوری گنجائش ہے (ورحمتی وسعت کل شیء)۔ بڑے سے بڑا مجرم اور گنہگار بھی اگر اس کی رحمت اور مغفرت کا طالب بن کر اس کی طرف بڑھے تو وہ اسے بخشنے کے لئے اور اپنے آغوش رحمت میں جگہ دینے کے لئے تیار ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ صاحب عدالت بھی ہے اور سرکش مجرموں کو سزا دینا بھی اس کی عدالت اور حکمت کا تقاضا ہے۔ اس لئے جو شریر اور مفسد سرکشی اور شرارت سے باز نہ آئیں گے اور تذکیر و نصیحت کے باجود نافرمانی اور بغاوت اور کفر و شرک ہی پر جمے رہیں گے، وہ آنے والے اس عالم میں جس میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت عدل کا پورا ظہور ہو گا، اللہ کی رحمت اور مہربانی سے ذرہ برابر بھی حصہ نہ پا سکیں گے۔ سورہ السجدہ میں ایسے ہی مجرموں کے بارے میں ارشاد ہے:

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ (السجدہ:۲۲)

ترجمہ: اور ان سے زیادہ کوئی ظالم نہیں جن کو انکے پروردگار کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی جائے اور پھر بھی وہ ان سے بے رخی اور بے پرواہی اختیار کریں اور اپنے حال

کو درست نہ کریں، ہم ایسے مجرموں کو سخت سزا دینے والے ہیں۔

تنزیہ و تقدیس

حق تعالیٰ کی صفات کے متعلق یہاں تک جو قرآنی بیانات نقل کئے گئے، یہ سب اس کی ایجابی صفات کے متعلق تھے۔ ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ علیم کل ہے، کوئی چھوٹی بڑی اور کھلی یا چھپی چیز اسکے علم سے باہر نہیں، وہ قادر مطلق ہے، سب کچھ اس کی قدرت میں ہے، وہ سب کا خالق ورازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے، ساری کائنات کا وہی مالک اور حاکم ہے اور ہر چیز اسکے زیر حکومت ہے، کوئی چیز بھی اسکے تصرف اور اقتدار سے باہر نہیں، پھر وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور اسی کے ساتھ اس میں عدالت کی صفت بھی ہے، یعنی نیکوکاروں اور فرمانبرداروں کو وہ اپنے خاص فضل وانعام سے نوازنے والا ہے اور سرکش مجرموں کو اپنی شان کے مطابق سزا اور عذاب دینے والا بھی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان اور اس کا تعارف ناقص اور نا ممکن رہتا ہے جب تک کہ ان چیزوں اور ان باتوں سے اس کا منزہ اور مبرہ ہونا بھی بیان نہ کیا جائے جو اسکی شانِ قدوسیت اور عظمت و کبریائی کے خلاف ہیں اور جنکے بارے میں جاہلوں اور خدا ناشناس لوگوں کو کبھی مغالطہ ہوا یا ہو سکتا ہے، اس لئے قرآن مجید میں صرف ایجابی صفات کمال کے بیان پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اس کی تنزیہ و تقدیس کو بھی پوری طرح نمایاں کیا گیا ہے، چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی پڑھ لیجئے! سورہ بنی اسرائیل کے بالکل آخر میں ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا (بنی اسرائیل:۱۱۱)

ترجمہ: اور کہو! ساری حمد وستائش اللہ ہی کے لئے ہے جو نہ کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت و فرمانروائی میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی ہے اور نہ کمزوری و درماندگی کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائی اور کبریائی بیان کرو۔

اور سورۂ انعام میں ایک موقع پر یہ بیان کرنے کے بعد کہ "جاہلوں ناخدا شناسوں نے اللہ کیلئے شریک، ساجھی اور بیٹیاں اور بیٹے ٹھہرائے" ارشاد فرمایا گیا:

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ

وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (الانعام:۱۰۰تا۱۰۲)

ترجمہ: وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں، وہ تو آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے (اور خود یہ نادان بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شان اسکے سوا کسی کی بھی نہیں، مگر یہ ظالم اسکے باوجود اسکے ساتھ شریک اور بیٹیاں اور بیٹے ٹھہراتے ہیں) حالانکہ کیسے اسکی کوئی اولاد ہو سکتی ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے۔ (بہر حال اسکی کوئی اولاد اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے، بلکہ سب اسکی مخلوقات ہیں) اس نے سب کو پیدا کیا اور اسکو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے۔ لوگو! یہ پاک و برتر اللہ تمہارا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ سب کا خالق ہے، لہٰذا تم سب اسی کی عبادت اور بندگی اختیار کرو اور وہ ہر چیز کا کفیل اور کارساز ہے۔

اس سب کے بعد تنزیہ کے سلسلہ میں آخری بات یہ فرمائی:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام:۱۰۳)

ترجمہ: اس کی شان یہ ہے کہ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بین باخبر ہے۔

ان آیتوں میں قریب قریب ان سب باتوں سے اللہ کا منزہ اور مبرہ ہونا فرمادیا گیا ہے جو اس کی شانِ الوہیت وقدوسیت کے خلاف ہیں اور جن کے بارے میں خدا ناشناسوں اور مشرکوں نے عام طور سے غلطی کھائی ہے۔ پھر قرآن پاک کے اس تنزیہی بیان کی آخری بات "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ" (انسانوں کی بینائیاں جو یہاں ان کو ملی ہوئی ہیں، اللہ کو نہیں پا سکتیں اور وہ سب بینائیوں کو پا رہا ہے) بلاشبہ بڑی اعلیٰ اور بڑی لطیف اور بڑی جامع تنزیہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی ہستی اس قدر لطیف اور وراء الوراء ہے کہ ہر وقت قریب تر اور بالکل ساتھ ہونے کے باوجود کوئی نگاہ اس کو نہیں پا سکتی اور وہ سب کی نگاہوں کو پا رہا ہے۔

اسی طرح سورہ شوریٰ میں ایک جگہ گنتی کے دو حرفوں میں حق تعالیٰ کی پوری تنزیہ وتقدیس

بیان فرمادی گئی ہے، ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ: کوئی شے بھی (جس کو تم جانتے ہو اور جس کا تصور کرسکتے ہو) اس کے مثل نہیں۔

قرآن مجید کے اس دو حرفی بیان پر غور کیجئے، واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا کوئی پہلو اس سے باہر نہیں رہا اور ان ہی دو حرفوں نے ان سب چیزوں سے حق تعالیٰ کا منزہ اور مبرہ ہونا بیان کر دیا جو اسکی شان الوہیت و قدوسیت کے خلاف ہیں، کیونکہ اس باب میں جتنی غلطیاں اور گمراہیاں ہوئی ہیں، یا ہوتی ہیں، ان سب کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے افعال وصفات کو اس عالم کی اپنی دیکھی بھالی اور جانی بوجھی چیزوں پر اور ان کے افعال وصفات پر قیاس کر لیتے ہیں۔

پس قرآن مجید نے "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" فرما کر اس غلط بنیاد ہی کو اکھاڑ دیا اور بتلا دیا کہ اسکی کوئی مثال اور کوئی نمونہ نہیں، وہ موجود ہے لیکن اس کا وجود اس طرح کا نہیں جس طرح دوسری موجودات کا ہے۔ وہ الحی یعنی زندہ ہے لیکن دوسرے زندوں کی زندگی اور اسکی زندگی میں کوئی مشارکت اور مشابہت نہیں۔ وہ علیم ہے، سمیع و بصیر ہے، لیکن اس کا علم اور اس کا سننا اور دیکھنا ہمارے علم اور ہماری سماعت وبصارت سے وراء ہے، وہ سب کے قریب ہے، سب کے ساتھ ہے، لیکن یہ قریب اور ساتھ ہونا ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا کی کوئی چیز کسی کے قریب اور کسی کے ساتھ ہوتی ہے، اسی طرح رحمت و محبت اور غضب وانتقام اس کی صفتیں ہیں، لیکن ان کی نوعیت وہ بالکل نہیں جو ہماری ان صفتوں کی ہے۔

بہر حال قرآن مجید کے اس نہایت مختصر تنزیہی بیان نے ان سب چیزوں کی نفی کر دی جو حق تعالیٰ کی شانِ قدوسیت کے خلاف تشبیہ و تمثیل کی وجہ سے خدا ناشناس لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ○"

قرآن مجید کی چند جامع الصفات آیات

اب ہم قرآنی تعلیم و دعوت کے اس باب (بیانِ صفات) کو چند ایسی آیات سنا کے ختم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی مختلف شئون وصفات کو جامع ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفاتِ کمال کے ساتھ اسکی تنزیہی شان کو بھی جمع کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی وہ مشہور جامع الصفات

آیت پڑھئے، جو آیت الکرسی کے نام سے معروف ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرہ: ۲۵۵)

ترجمہ: اللہ کی شان یہ ہے کہ (صرف وہی الہ حق ہے) اسکے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ "الحی" زندہ جاوید ہے (یعنی حیات اسکی ذاتی صفت ہے اس کیلئے فنا وزوال نہیں)، وہ "قیوم" ہے، ساری کائنات اسی کے حکم سے قائم ہے (وہ ہمہ وقت بیدار اور خبردار رہنے والا ہے)۔ نہ اسے اونگھ لگتی ہے اور نہ نیند آتی ہے (ایسے عوارض کا اسکے پاس گزر ہی نہیں)۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے (وہی سب کا مالک و مختار ہے)۔ کون ہے، جو اس کی جناب میں اسکی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش بھی کر سکے (کسی کی یہ مجال نہیں) جو کچھ بندوں کے سامنے اور حاضر ہے وہ اسکو بھی جانتا ہے اور جو انکے پیچھے اور ان سے غائب اور اوجھل ہے، وہ اس سے بھی واقف ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے غیر متناہی اور لامحدود علم میں سے وہ کسی ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے، الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی انکو دینا چاہے (تو وہ صرف اسی کو اور اسکے بتائے ہوئے بقدر جان سکتے ہیں) اور اس کا تختِ حکومت زمین و آسمان کی وسعتوں پر چھایا ہوا ہے اور انکے تھامنے سے وہ تھکتا نہیں اور وہ اونچی شان والا بڑی عظمت والا ہے۔

اسی طرح سورۂ حدید کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی شئون وصفات کا بڑی جامعیت کے ساتھ اور بڑا روح پرور بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ

فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الحدید: ۱تا۴)

ترجمہ: اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتی ہیں (یعنی اسکی پاکی بیان کرتی ہیں) وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہ بڑا زبردست اور صاحب حکمت ہے، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے آسمانوں میں اور زمین می،ں وہی (جسے چاہتا ہے) جِلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی موت وحیات کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ (یعنی وہ اس وقت بھی موجود تھا جبکہ اسکے سوا کوئی موجود نہ تھا اور سب کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ موجود رہنے والا ہے) وہی ظاہر ہے وہی باطن (یعنی ظاہر ایسا کہ ہر معمول عقل والا اس کو جانتا ہے اور اسکی خدائی کا یقین رکھتا ہے اور مخفی ایسا کہ کوئی آنکھ اسکو دیکھ نہیں سکتی) اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔ وہی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں (چھ دوروں میں) بنایا، پھر وہ اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا، جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے، وہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اسکی طرف چڑھتا ہے وہ اس سب کا بھی علم رکھتا ہے۔ اور تم جہاں بھی ہو، وہ (ہر جگہ اور ہر حال میں) تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، وہ اللہ اس سب کو خوب دیکھتا ہے۔

اس سلسلہ میں سورۂ حشر کی یہ آخری آیتیں اور پڑھ لیجئے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر: ۲۲تا۲۴)

ترجمہ: وہ اللہ جس کی شان یہ ہے کہ صرف وہی معبود حق ہے، اسکے سوا کوئی ہستی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ سب چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، وہ بڑا مہربان اور نہایت رحمت والا ہے۔ وہ اللہ وہی الہ حق ہے، اسکے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہی

حقیقی بادشاہ ہے۔" وہ القدوس" ہے، (عیب و نقص کی ہر نسبت سے پاک ہے)" السلام" ہے، (سلامتی اسکی ایسی صفت ہے کہ اس کیلئے کوئی خطرہ اور اس کو کبھی زوال نہیں) " المومن" ہے، (بندوں کو امن دینے والا ہے) "المہیمن" ہے (ان کا رکھوالا اور نگہبان) " العزیز" ہے (زبردست اور غالب ہے) "الجبار" ہے (سب پر اس کا دباؤ اور تسلط ہے، کوئی اسکی مشیت کے خلاف حرکت نہیں کر سکتا) " المتکبر" ہے، (بے انتہا عظمت و کبریائی اسکی صفت ہے) پاک ہے انکے شریک بتلانے سے۔ وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا، ٹھیک ٹھیک بنانے والا، صورت گری کرنے والا، اسی کے لئے ہیں سب عمدہ نام (اور اچھے القاب)۔ آسمان وزمین کی سب چیزیں اسکی تسبیح وتقدیس کرتی ہیں (اور اس کی پاکی اور برتری کے گیت گاتی ہیں) اور وہ نہایت زبردست اور صاحب حکمت ہے۔

خدائی صفات کے متعلق قرآن مجید کے ان مفصل بیانات کے بعد سورۂ اخلاص کا نہایت مختصر ایک بیان اور پڑھ لیجئے، جو بڑا سادہ ہونے کے ساتھ بڑی غیر معمولی دلکشی اور دلآویزی اپنے اندر رکھتا ہے۔ ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص)

ترجمہ: کہو! وہ اللہ ایک ہے، یگانہ و یکتا ہے، اللہ بے نیاز ہے (اسکو کسی کی احتیاج نہیں اور سب اسکے محتاج ہیں)، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کوئی ہستی اسکی ہمسر اور اسکے برابر کی ہے۔

جو شخص خدا کو مانتا ہے اور اپنے کو اس کی مخلوق و مملوک اور بندہ یقین کرتا ہے، اسکے دل میں اس چیز کی طلب اور پیاس کا ہونا بالکل قدرتی بات ہے کہ مجھے اپنے اس خالق اور رب کی معرفت حاصل ہو اور اسکے بارے میں جو کچھ میں جان سکتا ہوں، وہ کسی طرح جانوں اور بلاشبہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق سب سے زیادہ صحیح، مکمل اور واضح اور اطمینان بخش بیان صرف قرآن مجید کا ہے، اس سے ایک طرف تو وہ دلوں میں اللہ کی شایانِ شان عظمت پیدا ہوتی ہے اور امکان کی حد تک اس کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف انس و محبت کا چشمہ بھی ابلتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اس کی رضاجوئی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتا ہے اور یہی انسان کی کامیابی کی اعلیٰ اور آخری منزل ہے۔

توحید

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جو قرآنی بیانات یہاں تک نقل کئے گئے، ان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ اور علیم کل ہے، سب کے ساتھ اور سب سے قریب ہے، قادر مطلق ہے، سب کا خالق ورازق اور سب کا کارساز وپروردگار ہے اور وہ ہی اس ساری کائنات کا مالک وحاکم اور قیوم ہے اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے اسکے علاوہ کوئی ہستی نہیں جو بلا اسکے حکم کے یہاں کچھ کر سکے، ہر قسم کی عظمت وکبریائی اسی کے لئے ہے۔ وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور ساتھ ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے، سب سے اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کو کسی کی پرواہ نہیں اور وہ صاحب عدالت بھی ہے، یعنی ہر ایک کو اسکے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ اور ان صفاتِ کمال سے موصوف ہونے کے ساتھ وہ ہر اس بات اور ہر اس چیز سے بری بھی ہے، جس میں نقص وعیب کا کوئی پہلو اور کوئی شائبہ ہو اور جو اس کی شان قدوسیت کے خلاف ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ ساری صفتیں اور سارے کمالات جمع ہوں؟ آپ سے آپ یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ بس وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اور محبت وعظمت کے ساتھ اسکے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور اس کو اپنا مولا اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر اسکے حکموں پر چلا جائے، اسی سے آس لگائی جائے، اپنی ضرورتوں کے لئے اسی سے دعا کی جائے، مصائب ومشکلات میں اسی سے مدد مانگی جائے، اسی سے امید باندھی جائے اور اسی پر بھروسہ کیا جائے، اسی کی رضاجوئی میں جیا جائے اور مرا جائے، اسی کی حمد وثنا اور اسی کی تسبیح وتقدیس کی جائے اور اسی کی یاد کو اپنا وظیفہ بنایا جائے۔

اسی لئے قرآن مجید میں بیان صفات کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر ایک ثابت شدہ حقیقت اور لازمی نتیجہ کے طور پر توحید کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ناظرین نے صفات کے سلسلہ کی مندرجہ قبل آیات کو پڑھتے ہوئے خود بھی جابجا محسوس کیا ہوگا، اس لحاظ سے توحید کے مستقل بیان

کی اب زیادہ ضرورت باقی نہیں رہی، لیکن چونکہ توحید قرآن پاک کا خاص الخاص موضوعِ دعوت ہے اور اس میں دوسرے تمام مسئلوں سے زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے اور قرآن سے پہلے آنے والی اللہ کی کتابوں اور اللہ کے رسولوں کی تعلیم و دعوت کا مرکزی نقطہ بھی چونکہ توحید ہی کا مسئلہ رہا ہے، اس لئے ہم توحید کے بارے میں قرآن مجید کے بیان کو کسی قدر تفصیل سے اور مستقلاً بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آگیا ہو اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا، کیونکہ امتوں اور قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جتنی غلطیوں اور گمراہیوں میں قومیں توحید کے بارے میں مبتلا ہوئیں اتنی کسی دوسرے مسئلہ میں گمراہ نہیں ہوئیں۔ حالانکہ اللہ کے تمام پیغمبروں اور مذاہب کے سب سچے داعیوں نے اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی تعلیم دی تھی، بلکہ قرآن مجید کا بیان ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل: ۳۶)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے قوم میں اپنا پیغامبر (اس دعوت اور اس پیام کے ساتھ) کہ صرف اللہ کی بندگی کرو (جو سچا معبود ہے) اور ہر جھوٹے خدا سے بچو۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

(الانبیاء:۲۵)

ترجمہ: اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کی اور ان کو یہی پیام دیا کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔

الغرض یہ واقعہ ہے کہ ہر قوم میں آنے والے اللہ کے پیغمبر اور ہادی نے ہمیشہ توحید کی تعلیم دی لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اکثر قومیں کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہو گئیں اور اب بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کو مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن کسی نہ کسی قسم کے

شرک میں مبتلا ہیں ۔ قرآن ہی کا بیان ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ (یوسف:۱۰۶)

ترجمہ: اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا ہیں۔

بہر حال ہمیشہ سے شرک انسانوں کی بڑی خطرناک اور عام بیماری رہی ہے، اسی لئے قرآن مجید میں ۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کتاب ہدایت ہے اور جسکے بعد انسانوں کیلئے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے۔ توحید کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ روشن اور واضح کیا گیا ہے، بلکہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے، جن سے اگلی امتوں میں شرک آیا، یا اسکے آنے کا امکان ہو سکتا تھا۔

قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر ختم نہیں کر دیا کہ " خدا ایک ہے، اسکے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کی جائے"، بلکہ توحید فی الذات کے علاوہ اس نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کر کے بتلایا یہ صفت صرف اللہ ہی میں ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک لہ ہے، اسی طرح اپنے افعال واختیارات میں بھی وہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح وحدہٗ لاشریک لہ ہے۔ اس نے توحید کے ان پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عقلی یا عملی، جلی یا خفی شرک کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہم قرآن مجید کی دعوتِ توحید کے سلسلہ کی چند آیات کو یہاں چند عنوانوں کے تحت ایک خاص ترتیب سے مرتب کر کے پیش کرتے ہیں۔

توحید ذاتی اور توحیدِ الوہیت

توحید کا ایک سادہ سا اجمالی اور جامع عنوان یہ ہے کہ الٰہ یعنی معبود بس ایک ہے، صرف وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں موقع بموقع اس کو بیسیوں جگہ دہرا گیا ہے۔ چند آیتیں یہ ہیں:

وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ (البقرہ: ۱۶۳)

ترجمہ: اور تمہارا معبود بس ایک معبود ہے، اسکے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق

نہیں، وہ بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے

ایک موقع پر فرمایا:

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران: ٦٢)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ اللہ ہر چیز پر قابو رکھنے والا اور حکمت والا ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ (الصّٰفّٰت: ٤ تا ٥)

ترجمہ: حق یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، وہ آسمان وزمین اور انکے درمیان کی ساری مخلوق کا پروردگار ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ (الحج: ٣٥)

ترجمہ: پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی فرمانبرداری کرو اور اپنے کو اسی کے سامنے جھکادو۔

توحیدِ صفات وافعال

توحید الوہیت کے اس سادہ اجمالی بیان کے علاوہ قرآن مجید صفات وافعال میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بھی جابجا تفصیل سے بیان کرتا ہے، وہ بتلاتا ہے کہ سب کا پیدا کرنیوالا، سب کی پرورش کرنیوالا، سب کو روزی دینے والا، جِلانے والا اور مارنے ولا بس اللہ ہی ہے۔ اس مضمون کی متعدد آیات صفات کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں، چند آیتیں یہاں بھی پڑھ لیجئے! سورۂ روم میں فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (الروم: ۴۰)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر اسی نے تم کو رزق دیا اور تمہاری زندگی کی ضرورتیں مہیا کیں، پھر وہی تم کو وقت آنے پر موت دے گا اور وہی تم کو جلائے گا۔ بتاؤ! جن (واقعی یا فرضی ہستیوں) کو تم نے خدائی حقوق میں شریک ٹھہرا رکھا ہے، کیا ان میں سے کوئی ان میں کا کوئی کام بھی کرتا ہے، یا کر سکتا ہے؟ پاک ہے اللہ اور برتر ہے ان کے شرک سے اور شریکوں سے۔

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ (فاطر: ۴۰)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ان مشرکوں سے کہئے کہ بتاؤ، تو اللہ کے سوا جن شریکوں کو پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کیا چیز پیدا کی ہے انہوں نے زمین میں یا ان کی کوئی شرکت ہے آسمانوں میں؟

اور سورۂ فاطر میں ایک جگہ فرمایا:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (فاطر: ۳)

ترجمہ: کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو زمین و آسمان سے تمہاری روزی کا (انتظام کرتا ہے، اس کے سوا کوئی بھی الٰہ و معبود نہیں، پھر کہاں بہکے جا رہے ہو؟

اور سورۂ عنکبوت میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (العنکبوت: ۱۷)

ترجمہ: اللہ کے سوا جن ہستیوں کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہاری روزی کی مالک نہیں اور تم کو کچھ نہیں دے سکتیں، پس اللہ ہی سے رزق مانگو اور اسی کی عبادت کرو، اسی کا شکر

کرو، تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ساری کائنات پر صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے

قرآن مجید بتلاتا ہے کہ زمین وآسمان اور ساری کائنات صرف اللہ کے زیر حکم ہے، جس طرح سب کا خالق ورازق اللہ ہے، اسی طرح سب پر حکم بھی صرف اسی کا چلتا ہے۔

لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (الاعراف: ٥٤)

ترجمہ: تخلیق بھی اسی کی اور حکم وفرمان بھی اسی کا۔

سورہ قصص میں ارشاد فرمایا:

وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (القصص: ٧٠)

ترجمہ: بس صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وہی جو کچھ کرنا چاہتا ہے، کرتا ہے۔ اسکے سوا کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں، نہ کوئی کسی کو وجود دے سکتا ہے نہ کسی سے کوئی وجود لے سکتا ہے، نہ موت وحیات پر کسی کا اختیار ہے، نہ کوئی کسی کے نفع یا نقصان کا مختار ہے۔ اور نادان اور گمراہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت سے جن ہستیوں کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے نظام میں ان کا بھی کوئی دخل ہے اور یہ بھی جسے چاہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ قرآن مجید جابجا کہتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، ان کے بس میں کچھ بھی نہیں، اگر وہ سب بھی جمع ہو جائیں تو اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتے، حتیٰ کہ ایک مکھی اور ایک چیونٹی بھی نہیں بنا سکتے، کسی کی بگڑی کو نہیں بنا سکتے، کسی کی مدد اور حمایت نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کا یہ بیان ذرا اسی کے الفاظ میں سنئے:

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ (توبہ: ١١٦)

ترجمہ: زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، وہی زندگی اور موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا کارساز اور مددگار نہیں۔

سورۂ فاطر میں فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (فاطر:١٣)

ترجمہ: یہی اللہ تمہارا پروردگار اور مالک ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے (جیسی کسی بے قیمت اور حقیر چیز) کی بھی مالک نہیں۔

سورۂ حج میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ (الحج:٧٣)

ترجمہ: اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو، وہ تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے، اگر سب مل کر اس کے لئے کوشش کریں۔

سورہ سبا میں فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ (سبا: ٢٢)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان سے کہئے کہ تم اللہ کے سوا جن کو اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھتے ہو، ان کو پکار کے تو دیکھو، زمین و آسمان میں ان کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ نہ کوئی چیز ان کی ملکیت میں ہے نہ ان کا ساجھا ہے اور نہ اللہ کو ان سے اپنے کاموں میں مدد لینے کی ضرورت ہے)

سورۂ زمر میں فرمایا:

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (الزمر: ٣٨)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان سے کہئے کہ تم بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اس کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ مجھے اپنی رحمت سے

نوازنا چاہے تو کیا وہ اللہ کی رحمت کو مجھ سے روک سکتے ہیں ؟(ہر گز نہیں!) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ مجھے کافی ہے اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ (الشوریٰ:۹)

ترجمہ: کیا انہوں نے اللہ کے سوا کچھ کارساز بنائے ہیں؟ پس اللہ ہی سب کا کارساز ہے۔

نظام عالم کو قائم رکھنے والا صرف اللہ ہے

قرآن کہتا ہے کہ زمین وآسمان کے اس نظام کو بلاشرکت غیرے صرف اللہ ہی چلارہا ہے اور وہی اس کو تھامے ہوئے ہے، اگر وہ ایک لمحہ کے لئے اس کو چھوڑ دے تو کوئی دوسرا اس کو تھام نہیں سکتا اور پھر ساری کائنات آن کی آن میں فنا کے گھاٹ اُتر جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ (فاطر: ۴۱)

ترجمہ: اللہ ہی تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو اسکے سوا کوئی ان کو تھام نہیں سکتا۔

صرف اللہ زندۂ جاوید ہے، باقی سب فانی ہیں

قرآن مجید یہ بتلاتا ہے کہ اصلی اور ذاتی زندگی جس کو کبھی فنا نہیں، صرف اللہ کی ہے اور اسکے سوا جو ہستیاں ہیں ان سب کی زندگی مستعار ہے اور سب کو فنا کے گھاٹ سے گزرنا ہے۔ ارشاد ہے:

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (المومن:٦٥)

ترجمہ: صرف وہی زندہ جاوید ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔

سورۂ قصص میں فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: ٨٨)

ترجمہ: اس ذات کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے۔

صرف اللہ ہی عالم الغیب اور علیم کُل ہے

اسی طرح قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ شان صرف اللہ ہی کی ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور غیب و شہود سب یکساں طور پر اسکے سامنے ہے، کسی کی کوئی بات اس سے پوشدہ نہیں۔ ارشاد ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ:٢٥٥)

ترجمہ: اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے سامنے حاضر ہے، اس سب کو بھی جانتا ہے جو ان کے پیچھے اور ان سے غائب ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس کے بے انتہا علم میں سے ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے، الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ (الکہف: ٢٦)

ترجمہ: آسمان و زمین کے چھپے بھیدوں کا اسی کو علم ہے، کیسا عجیب دیکھنے والا اور سننے والا ہے؟

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ (النمل: ٦٥)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ آسمان و زمین میں جو مخلوقات ہیں، وہ غیب کا علم نہیں رکھتے بجز اللہ کے، بس وہی عالم الغیب ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ (الانعام: ٥٩)

ترجمہ: اللہ کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، اسکے سوا کوئی ان کی خبر نہیں رکھتا۔ (مطلب یہ

ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی ایسا آلہ اور ذریعہ نہیں، جس سے غیب کے مخفی بھیدوں کا علم حاصل ہو سکے۔)

توحیدِ حقوق

ذات وصفات اور افعال واختیارات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی بیان کرنے کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ وہ حقوق میں بھی وحدہٗ لاشریک لہ ہے، بندوں پر جو حقوق اس کے ہیں، وہ اس کے سوا کسی کے نہیں۔

حمد وستائش اسی کا حق ہے، وہی محبت اور خوف کے قابل ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس پر توکل اور آسرا کیا جائے اور اس سے لو لگائی جائے، وہی اصلی آقا اور حاکم ہے کہ اس کا قانون مانا جائے، یعنی بندوں کیلئے شریعت مقرر کرنا اسی کا حق ہے، وہی دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے، لہٰذا اسی سے دعائیں کی جائیں اور وہی الٰہ ومعبود ہے، لہٰذا اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں سنئے قرآن کا بیان:

صرف اللہ ہی لائق حمد وستائش ہے

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ (القصص:۷۰)

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور دنیا وآخرت میں صرف وہی حمد وستائش کا سزاوار ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجاثیہ:۳۶تا۳۷)

ترجمہ: ساری حمد وستائش اللہ کیلئے ہے جو آسمان وزمین اور ساری کائنات کا پروردگار ہے اور صرف اسی کیلئے عظمت وکبریائی اور بڑائی ہے آسمان وزمین میں اور وہی ہے زبردست اور صاحب حکمت۔

اللہ ہی سب سے زیادہ محبت اور خوف کے قابل ہے

یعنی اپنے بے انتہا احسانات اور کمالات کے لحاظ سے وہی اس کا مستحق ہے کہ بندے سب سے زیادہ محبت اسی سے کریں اور سب سے زیادہ اسی سے ڈریں۔

جن نادانوں اور گمراہوں نے اللہ کے سوا کچھ ہستیاں ایسی بنا رکھی ہیں جن سے وہ بندگی اور نیاز مندی کا تعلق رکھتے ہیں اور ان سے اللہ کے برابر محبت کرتے ہیں، ان کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ:١٦٥)

ترجمہ: اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مقابل بناتے ہیں اور وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہئے۔ اور جو اہل ایمان ہیں، وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے رکھتے ہیں۔

اور خوف کے متعلق ارشاد ہے:

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (التوبہ: ١٣)

ترجمہ: اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اور اس کا خوف کرو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ٤٤)

ترجمہ: تم انسانوں سے خوف نہ کھاؤ، بلکہ مجھ سے اور صرف مجھ سے ڈرو۔

وہی توکل اور آسرا لگانے کے قابل ہے

هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (التوبہ: ٥١)

ترجمہ: وہ اللہ ہمارا کارساز اور آقا ہے اور بس اسی اللہ پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

سورۂ حج میں فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (الحج:۷۸)

ترجمہ: اور بس اللہ کا سہارا مضبوطی سے پکڑ لو، وہی تمہارا کارساز ہے اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا کارساز اور کیا ہی اچھا مددگار ہے؟

سورہ مزمل میں فرمایا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل:۹)

ترجمہ: وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، وہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بنالو اور حاجت اور ضرورت میں اسی کی طرف رجوع کرو۔

وہی حاکم ہے اور اسی کا حکم واجب العمل ہے

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ (الانعام:۱۱۴)

ترجمہ: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ دینے والا حکم تلاش کروں، حالانکہ اس نے تمہاری طرف کتاب مفصل نازل کر دی ہے۔

جو نادان اللہ کے سوا بعض دوسری ہستیوں کی بتائی ہوئی باتوں کو "شریعت" بنالیتے ہیں اور ان کی پیروی ضروری سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ:۲۱)

ترجمہ: کیا ان کیلئے اور شریک ہیں جنھوں نے ان کے واسطے وہ دین اور وہ قانون مقرر کیا ہے، جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔

توحید کے بارے میں قرآن مجید کا سب سے اہم مطالبہ

ہر مقصد کے لئے دعا اور مدد طلبی صرف اللہ سے اور ہر عبادت صرف اسی کیلئے ہونی چاہئے

قرآن مجید نے توحید کے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور یہ اس لئے کہ شرک میں مبتلا ہونے والی دنیا کی قومیں اور امتیں شرك فی الدعاء اور شرك فی العبادۃ ہی میں زیادہ تر مبتلا ہوئی ہیں اور

ہمیشہ ناخدا شناس اور کم عقل انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہوا کہ انہوں نے اللہ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے دعائیں کیں، اپنی حاجتیں اور مرادیں ان سے مانگیں، انہیں راضی اور خوش کرنے کے لئے طرح طرح سے انکی عبادت اور پوجا کی، انکے آگے سجدے کئے، انکے نام کی خیر خیرات کی اور ان کیلئے نذریں اور منتیں مانیں اور ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ بڑی مشرکانہ گمراہیوں میں آج بھی یہی گمراہی سب سے زیادہ عام ہے حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں میں بھی ایک خاصی تعداد اس شرک میں مبتلا ہے۔

بہر حال شرك فی الدعا اور شرك فی العبادۃ چونکہ سب سے بڑی مذہبی گمراہی ہے اور ناخدا شناس انسان زیادہ تر اسی میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لئے قرآن مجید نے توحید کے سلسلے میں توحید فی الدعاء اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ پہلے چند آیتیں توحید فی الدعا کے سلسلہ کی پڑھ لیجئے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ (الرعد:١٤)

ترجمہ: حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اسی اللہ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اسکے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دعائیں کرتے ہیں، وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتیں۔

اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے دعائیں کرنے والوں اور اپنی حاجتیں مانگنے والوں سے ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (الاعراف:١٩٧)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو اور جن سے دعائیں کرتے ہو اور مدد مانگتے ہو، وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے اور اپنی بھی مدد کرنے سے وہ عاجز اور بے بس ہیں۔ (پس ان سے مدد مانگنا تمہاری کیسی حماقت ہے؟)

ایک جگہ اور ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل:٥٦)

ترجمہ: اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود و کارساز سمجھ رکھا ہے، انہیں اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکار کے دیکھو، نہ وہ تمہاری تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (المومنون:۱۱۷)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے من گھڑت معبود کو پکارتا ہے، اسکے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا حساب اسکے پروردگار کے حضور ہونا ہے، یقیناً کفر کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

ایک جگہ ہے:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ (الشعراء: ۲۱۳)

ترجمہ: مت پکار واللہ کے سوا کسی دوسرے فرضی اور من گھڑت معبود کو! (اگر ایسا کروگے) تو تم ہو جاؤ گے عذاب پانے والوں میں سے۔

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا (الجن: ۲۰)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! کہدو کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، اسی سے دعا کرتا ہوں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ (القصص:۲۸)

ترجمہ: اور مت پکارو اللہ کے ساتھ اور فرضی اور من گھڑت الٰہ کو۔ صرف اللہ ہی الٰہ حق ہے، اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں، اس کی پاک ذات کے علاوہ جو کچھ اس عالم موجودات

میں ہے، سب فانی ہے۔

اس آیت میں قرآن پاک نے غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کیلئے ایک بڑا عام فہم استدلالی ارشاد کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے، باقی رہنے والی اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہستی صرف اللہ کی ہے، جو سب کا خالق اور پروردگار ہے اور اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو حاجت روا اور کارساز سمجھ کر ان سے دعائیں کرنے والے اور مرادیں مانگنے والے جاہل مشرکین بھی اس حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سدا رہنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے اور باقی سب فانی ہیں۔ پس قرآن کہتا ہے کہ جن ہستیوں کے متعلق تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنے وجود اور اپنی حیات میں بھی مختار نہیں اور اپنے کو موت اور فنا سے بچالینا بھی جن کے بس میں نہیں، سوچو کہ ان کو کارساز اور حاجت روا سمجھ کر ان سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

پس جو لوگ بتوں کو یا نیک اور مقدس روحوں کو یا گزرے ہوئے پیروں یا پیغمبروں کو اپنی مدد کیلئے پکارتے ہیں اور اپنی حاجتوں میں ان سے دعائیں کرتے ہیں (حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ سب فانی ہستیاں ہیں)، وہ سوچیں کہ وہ کیسی احمقانہ حرکت کرتے ہیں اور اپنے کو وہ کتنی گہری پستی میں گراتے ہیں۔

یہ چند آیتیں توحید فی الدعاء کے سلسلہ کی تھیں، اب توحید فی العبادہ کے متعلق بھی چند آیتیں پڑھ لیجئے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار کا قطعی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

ایک جگہ حکم ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا (النساء: ۳۶)

ترجمہ: بس اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو!

چونکہ اللہ کے سوا جن ہستیوں اور جن فرضی معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے وہ اس غلط فہمی کی وجہ سے کی جاتی ہے کہ یہ ہستیاں بناؤ و بگاڑ اور نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتی ہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر اس صراحت کے ساتھ شرک فی العبادۃ سے روکا ہے کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، وہ بالکل عاجز و بے بس ہیں، نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، نہ بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک ارشاد ہے:

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (المائدہ: ۷۶)

ترجمہ: اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو، کیا تم اللہ کے سوا ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو، جن کے قبضہ میں تمہارا نفع و نقصان کچھ بھی نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (لہٰذا تمہیں اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بے خوف نہیں رہنا چاہئے۔)

ایک دوسری جگہ ان ہی مشرکین کے متعلق ارشاد ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (النحل: ۷۳)

ترجمہ: اللہ کے سوا ان ہستیوں کی یہ عبادت کرتے ہیں جنہیں آسمان و زمین میں سے رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں اور نہ ان کو کچھ قدرت ہے۔

قرآن مجید یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جو قومیں اور امتیں شرک میں مبتلا ہوئیں اور انہوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی اپنا معبود بنایا، ان کے نبیوں اور ان میں آنے والے اللہ کے سچے ہادیوں نے ان کو ہرگز اس شرک کی تعلیم نہیں دی تھی، بلکہ خالص توحید ہی کی تلقین کی تھی، ارشاد ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ: ۳۱)

ترجمہ: انہیں (اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ذریعہ) جو حکم دیا گیا، وہ اسکے سوا کچھ نہیں تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت اور بندگی کریں، اسکے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ پاک ہے انکے شرک سے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل: ۳۶)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغامبر (اسی دعوت اور اسی پیام کے ساتھ)

کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو سچا معبود ہے اور جھوٹے خدا کی عبادت اور بندگی سے بچو۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ
(الانبیاء:۲۵)

ترجمہ: اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجا، اس کی طرف یہی وحی ہم نے کی اور اس کو یہی پیام دیا کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔

اس اجمالی بیان کے علاوہ جن انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تعلیم کا قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، قرآن نے انکے متعلق صراحت اور وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ان سب نے پہلی بات اپنی قوم سے یہی کی کہ تمہاری عبادت اور بندگی کا مستحق صرف ایک اللہ ہے، بس اسی کی عبادت کرو اور اسکے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط اور اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

قرآن کا بیان ہے کہ یہی بات نوحؑ نے کہی، یہی ہودؑ نے کہی، یہی شعیبؑ نے کہی، یہی ابراہیمؑ نے اور ان کے بعد آنے والے پیغمبروں نے کہی۔

عیسائیوں نے تثلیث کا عقیدہ گھڑا اور حضرت مسیح اور روح القدس کو اور بعض نے حضرت مسیح اور انکی والدہ مریم صدیقہ کو خدائی میں شریک کیا اور اللہ کے اس پاک پیغمبر پر یہ تہمت دھری کہ اسی نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی۔ قرآن مجید نے جابجا اسکو رد کیا اور بتایا کہ اللہ کے دوسرے سب نبیوں ور سولوں کی طرح ہمارے بندے اور پیغمبر مسیحؑ نے بھی توحید ہی کی تعلیم دی تھی، اس نے اپنی قوم سے صاف کہا تھا:

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ
(المائدہ: ۷۲)

ترجمہ: اور مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کرو، جو

میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے، بلاشبہ جس کسی نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی حامی و مددگار نہ ہو گا۔

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

حضرت مسیحؑ نے جب اللہ کے رسول کی حیثیت سے اپنی قوم کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور فرمایا کہ میں اللہ کے حکم سے کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں اور فلاں فلاں معجزے دکھا سکتا ہوں تو ساتھ ہی صاف صاف یہ بھی ان سے کہہ دیا کہ میں خدا نہیں ہوں، بلکہ اسی اللہ کا بندہ ہوں جس کے تم بندے ہو اور میرا رب اور پروردگار وہی ہے جو تمہارا رب اور پروردگار ہے اور تنہا وہی عبادت اور بندگی کا مستحق ہے، میں تم کو اسی کی عبادت اور بندگی کی دعوت دیتا ہوں، یہی راہ نجات ہے۔ قرآن مجید نے اس موقع پر حضرت مسیح علیہ السلام کے جو الفاظ نقل کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (آل عمران: ۵۱)

ترجمہ: اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور وہی تمہارا رب ہے اور ہم سب اسکے بندے ہیں پس تم کو اسی کی عبادت کرنی چاہئے، یہی صراط مستقیم ہے۔

بہر حال قرآن مجید نے توحید کے ہر پہلو پر پورا پورا زور دیا ہے اور کسی قسم کے شرک کیلئے قطعًا کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اور خاص طور پر توحید فی الدعاء اور توحید فی العبادہ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ اس لئے کہ ہمیشہ سے مذہبی دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ عام گمراہی شرک فی الدعاء اور شرک فی العبادہ ہی رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے بالکل شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے چھوٹے چھوٹے تین جملوں کے بعد چوتھے جملے یعنی چوتھی آیہ (اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ) میں پہلا اقرار ہر قرآن پڑھنے والے سے یہ لیا جاتا ہے کہ "وہ اللہ کے سوا کبھی کسی اور ہستی کی عبادت نہیں کریگا اور کبھی کسی اور کو صاحب اختیار اور حاجت روا سمجھ کر اس سے مدد طلب نہیں کریگا اور دعا نہیں مانگے گا۔"

اور ایک جگہ تو اس توحید فی العبادہ اور توحید فی الدعاء کی تعلیم کو قرآن مجید نے اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ گویا یہی قرآن اور قرآن لانے والے اللہ کے آخری پیغمبر کی اصل دعوت ہے اور یہی

گویا دینی دعوت کا اصل مقصد و مدّعا اور مرکزی نقطہ ہے۔ پڑھئے سورۂ یونس کے آخری رکوع کی یہ آیتیں:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (یونس: ۱۰۴ تا ۱۰۷)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمھیں میرے دین اور میرے طریقے کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہے، تو سن لو میں صاف صاف کہتا ہوں (میرا دین اور میرا طریقہ یہ ہے کہ) اللہ کے سوا تم جن ہستیوں کی عبادات اور پرستش کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، جو تم پر موت طاری کرتا ہے اور مجھے اسی اللہ کا حکم ہے کہ میں ایمان والوں کے زمرہ میں ہو جاؤں اور یہ کہ سیدھا کرو اپنا رخ اللہ کی اطاعت اور عبادت کیلئے اور ہرگز نہ ہو مشرکوں میں سے۔ اور نہ پکارو اللہ کے سوا ان ہستیوں کو جو نہ تمھیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی تکلیف دے سکتی ہیں اور اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور یقین کرو کہ اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اللہ کے سوا کوئی اس کو دور کر سکنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارے لئے کسی بھلائی کا ارادہ کرے اور اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو اسکے فضل وکرم کو روک سکنے والا کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نوازے اور نصیب فرمائے، وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

ان آیتوں میں قرآن کے لانے والے پیغمبر (ﷺ) سے اعلان کرایا گیا ہے کہ میرا دین اور میرا طریقہ جس کی طرف اے لوگو! میں تم سب کو بھی دعوت دیتا ہوں، اس کا بنیادی اصول اور خاص مرکزی نقطہ بس یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور صرف اس کو سب کے نفع ونقصان اور خیر وشر اور بناؤ وبگاڑ کا مالک ومختار یقین کرتے ہوئے اپنی حاجتوں اور پریشانیوں میں

صرف اسی کو پکارا جائے، اسی سے مدد مانگی جائے اور اسی سے دعا کی جائے اور اس معاملہ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

توحید کا آخری تکمیلی سبق

توحید کے متعلق قرآن مجید کی جو تعلیم یہاں تک پیش کی گئی ہے، وہ بھی یقیناً قرآن مجید کا اور اسلام کا امتیاز ہے اور اس دنیا کے کسی دوسرے دینی صحیفہ اور کسی ہدایت نامہ میں اور کسی ہادی اور پیشوا کی تعلیم میں توحید کا ایسا جامع اور مکمل درس جہاں تک ہمیں علم ہے، موجود نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے اس سب سے بھی آگے بڑھ کر تعلیم توحید کے سلسلہ میں ایک اور ایسی بات کہی ہے جس کو "توحید کا آخری تکمیلی سبق" کہا جاسکتا ہے۔

سورۂ انعام کے آخری رکوع میں خود قرآن کے لانے والے رسول (ﷺ) کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (الانعام: ۱۶۲ تا ۱۶۳)

ترجمہ: آپ اعلان کیجئے کہ میری نماز اور میری ہر قسم کی عبادت اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سر اطاعت خم کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا گیا ہے کہ:

میری نماز اور میری ساری عبادات صرف اللہ کیلئے ہیں اور اسی طرح میری پوری زندگی اور میری موت بھی اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ہی کیلئے ہے اور مجھے اسی کا حکم ہے کہ نماز و عبادت کی طرح میری ساری زندگی، بلکہ میری موت بھی اللہ کیلئے ہو، میں جو کچھ کروں، اسی کیلئے اور اسی کے حکم کے مطابق کروں اور اسی کی فرمانبرداری میں جیوں اور مروں اور اپنے مالک کے اس حکم پر میں سب سے پہلے اپنا سر اطاعت جھکاتا ہوں اور زندگی کا ہر لمحہ اس کی رضاجوئی اور اسی کی عبدیت و بندگی میں گزارنے کا فیصلہ کرتا ہوں۔

بلاشبہ توحید کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ کی عبدیت میں دے دے۔ وہ طے کرلے کہ میں اور میری موت و حیات اور میرا سب کچھ بس اللہ کیلئے ہے، اسی کے واسطے

اور اسی کے حکم پر جینا اور مرنا ہے۔ قرآن مجید میں توحید کے اس آخری اور تکمیلی سبق کے لئے جو یہ پیرایہ اختیار کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے متعلق یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تو اس میں ایک خاص حکمت اور مصلحت غالباً یہ بھی ہے کہ جب کوئی پیغمبر خود اپنی ہی زبان سے دنیا کو اپنے متعلق یہ بتلائے کہ میری ساری نیاز مندیاں اور عبادت گزاریاں اللہ ہی کے لئے ہیں اور میرا جینا مرنا بھی اسی کے واسطے ہے اور میں سب سے پہلے اس کے ہر حکم پر سر اطاعت خم کرنے والا ہوں یعنی بندگی اور سر افگندگی کے وصف میں بھی سب سے آگے اور سب کا پیشرو ہوں تو پھر کسی اور کیلئے اس کی بالکل گنجائش نہیں رہتی کہ وہ اس پیغمبر کو خدا یا خدائی میں شریک سمجھے۔

یہ واقعہ ہے کہ محمد ﷺ کو خاتم الانبیاء اور دسید الرسل ماننے والی امت کیلئے توحید کے باب میں سب سے بڑا خطرہ یہی تھا کہ آپ کے غیر معمولی کمالات اور معجزات سے مبہوت ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی خدا یا شریک خدا سمجھ لیا جاتا، اسی لئے قرآن مجید میں آپ کی عبدیت وبشریت اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کی نیاز مندی اور سر افگندگی کو جابجا اجاگر کیا گیا ہے اور اس کیلئے اکثر مقامات پر یہی پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ خود آپ کی زبان سے اس کا اعلان واظہار کرایا گیا ہے۔ کہیں ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ (حٰمٓ سجدہ: ۶)

ترجمہ: اے رسول! آپ اعلان فرمادیجئے کہ میں بھی بس تم جیسا ایک انسان ہوں، میری طرف اللہ کی طرف سے یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے بس اسی کی طرف سیدھ باندھ لو اور اس سے بخشش طلب کرو اور مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔

کہیں ارشاد ہے:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۳)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان کو کہیئے کہ پاک ہے میرا پروردگار (اسے سب کچھ قدرت ہے) اور میں تو بس ایک آدمی ہوں اللہ کا پیغام دینے والا۔

کہیں ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ (الجن: ۲۱ تا ۲۲)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجئے کہ میں اختیار نہیں رکھتا تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کا اور نہ کسی بھلائی سے ہمکنار کرنے کا (اور) اعلان کر دیجئے کہ (اللہ اگر مجھے پکڑنا چاہے تو) ہر گز نہیں بچا سکتا کوئی مجھے اللہ کی گرفت سے اور نہ ہر گز میں اسکے دامن رحمت کے سوا کہیں پناہ پا سکتا ہوں۔

اور جگہ حکم فرمایا گیا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۭ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ (الاعراف: ۱۸۸)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تو خود اپنی جان کے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے۔ اور اگر میں غیب دان ہوتا تو بہت سے منافع سمیٹ لیا کرتا اور مجھے کوئی گزند زندگی میں نہ چھوتا، میں تو بس عذاب کے خطرہ سے خبردار کرنے والا اور بشارت سنانے والا ہوں۔

امت محمدی کو شرک کے اس خطرے سے بچانے کے لئے قرآن کریم میں ایک خاص اہتمام یہ بھی کیا گیا ہے کہ جن جن مقامات پر رسول ﷺ کے غیر معمولی کمالات اور خاص الخاص بلندیوں کا ذکر آیا ہے، وہاں خصوصیت سے آپ کے لئے عبد (بندہ) کا لفظ بولا گیا ہے۔ چنانچہ معراج میں جو انتہائی ترقی اور بلندی آپ کو حاصل ہوئی (جو آپ کے سوا کسی نبی اور کسی فرشتے کو بھی حاصل نہیں ہوئی) اسکو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (بنی اسرائیل: ۱)

ترجمہ: پاک ذات ہے وہ جو رات میں لے گیا اپنے بندے کو۔

اسی سفر معراج کے سلسلہ میں جہاں سورہ النجم میں مقام "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" تک رسول اللہ ﷺ کا پہنچنا ذکر کیا گیا ہے، وہاں بھی "فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى" فرما کر مقام عبدیت کو یاد دلایا گیا ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ شہادت کے جس کلمہ کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے یعنی "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ اس

میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت اور اس کا اعلان واقرار ہے، اسی طرح اس حقیقت کا بھی اعلان واقرار ہے کہ محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت کے ساتھ آپ کی عبدیت اور بندگی کی شہادت بھی جزو ایمان قرار دی گئی ہے، جس کے بغیر کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔

ان اوراق میں اگرچہ صرف قرآنی دعوت و تعلیم پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے لیکن اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے بعض وہ ارشادات بھی نقل کر دینے کا بے اختیار جی چاہتا ہے جن میں آپ نے عبدیت کا بے لاگ اظہار فرمایا ہے اور امت کو اس گمراہی سے بچانے کی امکانی کوشش فرمائی ہے جس میں آپ سے پہلے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کی امت اور بعض دوسری امتیں مبتلا ہوئیں۔ آپ کا مشہور ارشاد ہے:

لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبداللہ و رسولہ (رواہ البخاری و مسلم عن عمرؓ بحوالہ مشکوٰۃ شریف کتاب الادب)

ترجمہ: عیسائیوں نے جس طرح عیسیٰ ابن مریمؑ کو حد سے بڑھایا، خبردار! تم میرے ساتھ ایسا نہ کرنا! میں بس اللہ کا بندہ ہوں، اس لئے (مجھے بندگی اور پیغمبری ہی کے مقام پر رکھنا اور) اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک موقع پر اپنے صحابہ کو تاکید فرمائی:

لاترفعونی فوق حقی فان اللہ تعالیٰ قد اتخذنی عبدا قبل ان یتخذنی رسولا (رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک بحوالہ کنز العمال ج ۱ ص ۲۲)

ترجمہ: مجھ کو میرے اصل مرتبہ سے مت بڑھاؤ، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول قرار دینے سے پہلے بندہ بنایا ہے۔ (پس میں رسول ہونے کے بعد بھی بندہ ہوں)

ایک موقع پر بعض صحابہ سے اظہار عظمت و عقیدت میں کچھ بے اعتدالی اور لغزش ہو گئی تو آپ نے سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

لایستھوینکم الشیطان انا محمد بن عبداللہ عبداللہ و رسولہ ما احب ان ترفعونی فوق منزلی التی انزلنی اللہ (رواہ احمد و عبد بن حمید و سعید بن منصور و البیھقی فی شعب الایمان بحوالہ کنز العمال ج ۲ ص ۳۲)

ترجمہ: لوگو! تمہیں شیطان گمراہ نہ کر دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں، اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم مجھے میرے اس مرتبہ سے اوپر اٹھاؤ جہاں اللہ نے مجھے رکھا ہے۔

ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے سلسلہ کلام میں نکل گیا: "ماشاء اللہ وشئت" (یعنی وہ ہو گا جو اللہ چاہئے اور جو آپ چاہیں) آپ اس پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا: جعلتنی للہ ندا بل ماشاء اللہ وحدہٗ (رواہ الطبرانی فی الکبیر بحوالہ کنز العمال۔ ج ۲ ص ۱۳۳)

"تم مجھ نے کو خدا کے برابر کر دیا، یوں نہیں بلکہ یوں کہوں کہ جو تنہا خدا چاہے، وہ ہو گا۔"

آپ کے سامنے بعض اگلی امتوں کا یہ تجربہ تھا کہ اللہ کے جن نبیوں نے زندگی بھر توحید کی راہ میں جدوجہد کی اور شرک کی بیخ کنی میں اپنی عمر صرف کر دی، ان ہی کے امتیوں نے ان پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کی قبروں کو سجدہ گاہ اور پناہ معبود بنالیا، اس لئے آپ نے پہلے سے آگاہی دی اور پیش بندی فرمائی:

ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءِ ھم مساجد، فلا تتخذوا القبور مساجد۔ انی انھاکم عن ذالک۔ (رواہ مسلم عن جندب بن عبد اللہ)

ترجمہ: تم سے پہلے بعض امتوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا تھا، دیکھو! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا، میں تم کو صاف صاف اس سے منع کرتا ہوں۔

اور وفات سے کچھ ہی پہلے اپنے آخری مرض میں خدا سے دعا فرمائی:

اللھم لاتجعل قبری وثنا یعبد! اشتد غضب اللہ علیٰ قوم اتخذو قبور انبیاءِ ھم مساجدَ۔ (موطا امام مالک)

ترجمہ: اے میرے اللہ! ایسا نہ ہو کہ میری قبر بت کے مانند ہو جائے جس کی لوگ پرستش اور پوجا کریں۔ اللہ کا سخت غضب ان لوگوں پر ہوا ہے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

اللہ کی طرف سے قرآن لانے والے رسول ﷺ کے یہ سارے ارشادات اور اپنی پرستش کے امکانات کو قطعی طور پر ختم کرنے کیلئے آپ کی یہ صریح تنبیہات اور تاکیدات در اصل قرآن مجید ہی کی تعلیم توحید کی تشریح و تفسیر ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے اس پاک پیغمبر پر اپنی بے انتہا رحمتیں نازل فرمائے جس نے توحید کی تعلیم کو اس قدر صاف اور اُجلا کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا اور شرک کے ہر امکانی راستہ کو بند کیا۔

شرک اور مشرکین کی سخت مذمت اور ان سے اعلان بیزاری

قرآن مجید نے دعوت توحید کے سلسلے میں بہت سے مقامات پر یہ پیرایہ بھی اختیار کیا ہے کہ

توحید کی تعلیم سے بغاوت کرنے والے مشرکین اور انکے شرک کے نہایت بُرے انجام سے لوگوں کو ڈرایا ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اعلان فرمایا ہے، اس سلسلے کی بھی چند آیتیں پڑھ لیجئے۔ سورۂ نساء میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء:۱۱۶)

ترجمہ: اللہ معاف نہیں کرے گا اور نہیں بخشے گا اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور معاف کر دے گا اس کے سوا دوسرے گناہ جس کو چاہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (المائدہ: ۷۲)

ترجمہ: یہ بات یقینی ہے کہ جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا مستقل ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور ان ظالموں کا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں (جو ان کو عذاب سے چھڑا سکے۔)

اور اسی واسطے۔ کہ شرک قطعاً ناقابل معافی جرم ہے اور ہر مشرک کیلئے جہنم میں پھینکے جانے کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو اور سب ایمان والوں کو یہ حکم سنایا گیا کہ خبردار! کسی مشرک کیلئے اللہ سے مغفرت اور بخشش کی دعا بھی نہ کرو، اللہ ان ظالموں، ناپاکوں کے حق میں بخشش کی دعا نہیں سننا چاہتا۔ فرمایا گیا:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (التوبہ: ۱۱۳)

ترجمہ: پیغمبر کو اور ایمان والوں کو نہیں چاہئے کہ وہ مشرکوں کے حق میں مغفرت اور بخشش کی دعا کریں، اگرچہ وہ ان کے عزیز و قریب ہی کیوں نہ ہوں۔

اور اسی سورہ توبہ میں دوسری جگہ فرمایا گیا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ: ۲۸)

ترجمہ: اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ناپاک اور پلید ہیں۔

اور اسی سورۂ میں اعلان فرمایا گیا:

اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ: ۳)

ترجمہ: اللہ بری اور بیزار ہے سارے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی بیزار ہے۔

قرآن مجید کی دعوتِ توحید کے سلسلے میں اگرچہ ہم نے زیادہ اختصار سے کام نہیں لیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ ان اوراق میں توحید کے سلسلے میں لکھا گیا اور جو کچھ ناظرین نے اس سے سمجھا، اس کو قرآن کے بیانِ توحید کا "مشتے نمونہ از خروارے" کہنا بھی مشکل ہے۔

اللہ نے جس کو قرآن فہمی کی دولت نصیب فرمائی ہے، وہ براہ راست قرآن مجید میں تدبر کر کے ہی اسکی دعوت توحید کے زور و قوت اور اسکی وسعتوں اور لطافتوں کو سمجھ سکتا ہے بلکہ وہ بھی جب تک اور جہاں تک غور کرتا رہے گا، اسکو یہی محسوس ہوتا رہے گا کہ اب تک میں نے جو کچھ سمجھا، قرآن میں اس سے بہت زیادہ ہے

نہ حنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہمچناں باقی!

آخرت

قرآن مجید جن حقیقتوں کو ماننے، قبول کرنے اور اُن پر ایمان لانے کی پورے زور سے دعوت دیتا ہے اور ان کو زندگی کی بنیاد بنانے پر پوری شدّت کے ساتھ اصرار کرتا ہے، ان میں خدا کی ہستی اور اس کی صفات اور توحید کے بعد آخرت کا مسئلہ ہے۔

یعنی قرآن مجید کہتا ہے کہ جس طرح اپنے سر کی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھنے اور اپنے کانوں سے اس کی آواز نہ سننے کے باوجود تمہارے نزدیک خدا کی ہستی اور اس کا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کی سلیم فطرت انکار نہیں کر سکتی، اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے اور وہ زندگی اس دنیوی زندگی کی طرح عارضی اور چند روزہ کی نہیں بلکہ دوامی ہے اور ہر حیثیت سے اس زندگی کے مقابلہ میں ہزاروں لاکھوں گنا بڑھی چڑھی ہے اور اُس زندگی میں ہمیں ہماری اس دنیوی زندگی کی نیکیوں اور بداعمالیوں کی جزا اور سزا ملے گی۔

خدا کی ہستی اور اس کی صفات کی طرح آخرت کا مسئلہ بھی چونکہ دین ومذہب کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اللہ کے سارے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی سب کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی اور قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس لئے اس میں تو آخرت کے مسئلے پر اتنا زور دیا گیا اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی گئی کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے بیان سے متعلق ہے۔

قرآن مجید آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے ساتھ غور وفکر کرنے والے انسانوں کو یہ بھی بتلاتا ہے کہ آخرت کیوں ضروری ہے اور اس کا انکار کتنی سنگین گمراہی ہے اور اس کے کیا نتائج ہیں اور اس کے بارے میں جو شبہات جاہلوں اور ناخدا شناسوں کو ہوتے ہیں وہ کس قدر سفیہانہ اور احمقانہ شبہات ہیں۔

پھر قرآن مجید کسی قدر تفصیل سے یہ بھی بتلاتا ہے کہ آخرت میں کیا کیا سامنے آنے والا ہے،

نیکوکاروں اور اللہ کے فرمانبرداروں کو کیا کیا انعامات ملنے والے ہیں اور ان کے لئے خوش عیشی اور لذّت اندوزی کے وہاں کیا کیا سامان ہیں اور بدکاروں اور خدا کے نافرمانوں کے لئے وہاں کیسے لرزہ خیز عذاب ہیں، جنت میں کیسی کیسی لذتیں اور بہاریں اور دوزخ میں کیسی کیسی ہوش رُبا تکلیفیں اور دردناک سزائیں ہیں؟

آخرت کیوں ضروری ہے؟

سب سے پہلے آخرت کے ضروری اور یقینی ہونے کے متعلق قرآن مجید کا بیان سنئے: قرآن کہتا ہے کہ اگر زندگی اسی دنیا پر ختم ہو جائے اور اس کے بعد کوئی اور زندگی نہ ہو تو پھر یہ سارا کارخانۂ عالم بالکل بے مقصد ہنگامہ اور بے معنی تماشہ اور اپنے پیدا کرنے والے کا ایک عبث فعل ٹھرا اور پھر اس کی تخلیق کی کوئی ایسی توجیہ نہیں کی جاسکتی جو اس علیم و حکیم خالق کے شایان شان ہو۔

اس کو ذرا تفصیل سے یوں سمجھئے کہ ذرا سا غور و فکر کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پورے کارخانۂ عالم میں بنی نوع انسان کی حیثیت اور اس کا درجہ وہی ہے جو ایک گھر میں گھر والے آدمی کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھر میں گھر کے آدمیوں کے علاوہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں، مثلاً کھانے پینے کی چیزیں، پہننے کے کپڑے، فرش فروش، تخت قالین، پلنگ بستر ے، الماریاں، میز، کرسی، آئینہ اور دوسرے زینت و آرائش کے سامان، اسی طرح کھانے پینے کے برتن، روشنی کے لئے بجلی کے قمقمے یا لیمپ وغیرہ، سواری کے لئے سائیکل، موٹر یا سواری کے جانور، جی بہلانے کے لئے طوطا، مینا، کبوتر جیسے پرندے یا بلی اور کتے، علیٰ ہٰذا بچوں کے قسم قسم کے کھیل کھلونے۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی خود مقصود نہیں بلکہ ہر چیز گھر میں اس لئے رکھی جاتی ہے کہ انسان اُس سے کام لے۔ خواہ وہ جی بہلانے کا یا گھر کی زینت و آرائش کا یا بچوں کے کھیلنے ہی کا کام کیوں نہ ہو۔ پس اسی طرح اس پورے کارخانۂ عالم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے سوا یہاں جو کچھ بھی ہے، زمین، پہاڑ، ہوا، پانی، دریا، نہریں، چاند، سورج، چرند پرند، نباتات، معدنیات سب کی سب انسان کے لئے ہیں۔ گویا اس پوری کائنات میں اصل مقصود صرف انسان ہے اور زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ صرف انسان کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ اور یہ ایک بالکل کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان کی اس دنیا کی یہ چند روزہ زندگی خواب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور پھر فی صدی ایک دو بھی تو ایسے نہیں ہیں جو اپنی اس زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں، بلکہ اس ناچیز راقم سطور کا خیال ہے کہ اگر آخرت کی وہ زندگی نہ ہوتی جس کی اطلاع انبیاء علیہم السلام

نے دی ہے اور قرآن مجید نے جس کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے تو پھر انسانوں کے لئے اس دنیا میں پیدا ہونے سے ہزاروں درجہ بہتر یہ تھا کہ وہ سرے سے پیدا ہی نہیں کئے جاتے بلکہ اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ کے کہتا ہوں کہ اگر آخرت کی زندگی پر ایمان نہ ہوتا تو میں اپنے پیدا کئے جانے پر احتجاج کرتا اور یہاں کی ہزاروں فکروں اور پریشانیوں والی اس چند روزہ زندگی کے مقابلہ میں صرف اپنے ہی لئے نہیں بلکہ سب انسانوں کے لئے میں کسی ایسے طریقے سے خودکشی کو جائز بلکہ بہتر سمجھتا جس میں زیادہ تکلیف نہ ہوتی۔

بہر حال اس دنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک انسانوں کو جو چند سالوں کی زندگی ملتی ہے، جس کا ابتدائی کافی حصّہ بچپن کی کمزوریوں اور بے لطفیوں میں گزر جاتا ہے اس کے بعد جوانی آتی ہے جو طاقتوں اور توانائیوں کے ساتھ ہزاروں قسم کی فکروں کو اور اُن خواہشوں اور امنگوں کو ساتھ لاتی ہے جن کو پورا کرنے کا ہر آدمی سامان نہیں پاتا پھر جوانی کا ڈھلاؤ اور قوتوں میں اضمحلال آنا شروع ہوتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد بڑھاپا اپنی ساری مجبوریوں اور آزاریوں، دکھوں اور بیماریوں کے ساتھ آجاتا ہے اور بالآخر ان ہی منزلوں سے گزر کر آدمی موت کے راستے اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ بس یہی ہے ہر انسان کی دنیوی زندگی بشرطیکہ اس کو پوری طبعی عمر بھی مل جائے۔ سوچئے کیا کسی کی عقل سلیم یہ مان سکتی ہے کہ انسان کی یہ زندگی کوئی ایسی بڑی چیز ہے جس کے لئے عالم ہست وبود کا یہ سارا ہنگامہ برپا کرنا درست اور قرینِ حکمت ہو۔

بہر حال بیچارے انسانوں کی اس چند روزہ اور بے لطف زندگی کے لئے زمین و آسمان کے اس پورے نظام کی تخلیق بلکہ خود انسان کی پیدائش بھی یقیناً ایک قابل اعتراض تماشہ اور بے مقصد کھیل ہے، اگر اس دنیوی زندگی کے بعد آخرت کی وہ زندگی نہ ہو جس کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے ہم کو دی ہے۔

قرآن مجید نے اس پورے مضمون کو اپنے بلیغ معجزانہ اور نہایت مختصر الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ (المومنون: ۱۱۵ تا ۱۱۶)

ترجمہ: کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی فضول اور عبث پیدا کیا ہے اور اپنی دنیوی زندگی ختم کرنے کے بعد ہماری طرف تمہاری واپسی نہیں ہوگی، سو برتر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو بادشاہ حقیقی ہے، تنہا معبود ہے، جس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں، وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ جو بادشاہ حقیقی، لاشریک معبود اور ربّ العرش ہے، اس کے بارے میں اس خیال اور گمان کی قطعاً گنجائش ہی نہیں ہے کہ اس نے انسانوں کو یوں ہی بے مقصد اور فضول وعبث پیدا کیا ہو، بلکہ اس نے انسان کو ایک اہم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں رہ کر وہ اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وانعام حاصل کرنے کی تیاری کرے جو اس کی آخری اور اعلیٰ منزل ہے۔

پس انسان کی یہ دنیوی چند روزہ زندگی ہی اس کی نشانی اور دلیل ہے کہ اس کے بعد آخرت کی وہ پائیدار اور ترقی یافتہ زندگی بھی ہونی چاہئے جس کی خبر انبیاء علیہم السلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے دی ہے، ورنہ اس دنیا میں انسان کا آنا ایک بے مقصد کھیل اور لاحاصل تماشہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور برتر ہے۔ اسی حقیقت کو دوسری جگہ ان الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (الدخان: ۳۸)

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں کو، زمین کو اور جو کچھ کہ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر عبث اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔

اور سورۂ قیامہ میں ارشاد ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (القیامۃ: ۳۶)

ترجمہ: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ (اپنے کئے کی جزا سزا نہ پائے گا)

دراصل انسان کی دنیوی زندگی میں اور یہاں اس کی تخلیق میں معنویت جب ہی ہے جبکہ جزا اور سزا پر ایمان لایا جائے اور اس حقیقت کو مانا جائے کہ یہاں کی زندگی اگلے عالم کی یعنی آخرت کی اعلیٰ اور ترقی یافتہ دوامی زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر اس کو نہ مانا جائے اور آخرت کا انکار کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کی تخلیق جیسے اللہ تعالیٰ کے باعظمت فعل کو فضول وعبث اور بے مقصد قرار دیا جائے: تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

آخرت کے ضروری ہونے پر قرآن مجید کی ایک دوسری دلیل

قرآن پاک نے آخرت کے ضروری ہونے پر ایک اور پہلو سے بھی روشنی ڈالی ہے۔ اپنے خاص انداز میں قرآن پاک انسانوں کی سلیم فطرت اور عقل سلیم کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ تم

دیکھتے ہو کہ اس دنیا میں بُرائی اور بھلائی موجود ہے لیکن اس کی سزا اور جزا جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا تقاضا ہے، یہاں نہیں ملتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہو جس میں نیک بختوں کو ان کی نیکوکاریوں کی جزا اور مجرموں کو ان کی بدکاریوں کی سزا ملے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس دنیا کے خالق اور پروردگار پر اس سے بڑا الزام آئے گا۔

اس کو ذرا تفصیل سے یوں سمجھئے کہ اس دنیا میں سب دیکھتے ہیں کہ بہت سے پیشہ ور ظالم بدمعاش عمر بھر بڑے بڑے پاپ کرتے ہیں، لوگوں کے جان ومال پر ڈاکے ڈالتے ہیں، کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں، بندگان خدا کے حق مارتے ہیں، غریبوں کو ستاتے ہیں، رشوتیں لیتے اور خیانتیں کرتے ہیں اور عمر بھر عیش کرتے ہوئے اولاد کے لئے بھی بہت کچھ سامان عیش چھوڑ کر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اور اس کے برعکس اللہ کے بہت سے بندوں کو اس حال میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بیچارے بڑی نیکی اور پارسائی کی زندگی گزارتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، کسی کے ساتھ دغا اور دھوکا نہیں کرتے، کسی کا حق نہیں مارتے، اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں، اس کی مخلوق کی خدمت بھی کرتے ہیں اس کے باوجود ان کی زندگی تنگی اور تکلیف سے گزرتی ہے، کبھی کوئی بیماری اور آزاری ہے، کبھی کوئی تکلیف اور پریشانی ہے اور بیچارے اسی حال میں دنیا سے چلے بھی جاتے ہیں اور نہیں دیکھا جاتا کہ اُن کی اس نیکی اور پارسائی کا کوئی بھی صلہ اس دنیا میں ان کو ملا ہو۔

پس اگر اس دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی اور ایسی زندگی نہ ہو جہاں ان بدکاروں اور نیکوکاروں کو اپنے اپنے کئے کی جزا اور سزا ملے تو یقیناً خدا پر الزام آئے گا کہ اس کے یہاں دنیا کی بے انصاف حکومتوں سے بھی زیادہ اندھیر ہے، نہ نیکوکاروں کی نیکی کی کچھ قدر ہے اور نہ ظالموں اور بدکاروں کی بدکاری اور بدمعاشی کی کوئی سزا ہے۔ بلکہ سارے پارساؤں، پرہیزگاروں اور چوروں، ڈاکوؤں کے ساتھ اندھیر نگری والا ایک ہی برتاؤ ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی سلیم عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ کی ہستی تو بہت بلند ہے۔ یہ طرز عمل تو کسی بھلے آدمی کے بھی شایان شان نہیں جبکہ وہ شریفوں اور شریروں اور پرہیزگاروں اور پیشہ ور بدمعاشوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ قرآن مجید اسی بات کو اپنے نہایت مختصر اور بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح کہتا ہے:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (القلم: ۳۵)

ترجمہ: کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں نافرمانوں کے برابر کر دیں گے؟ (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو گا)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ کَالۡفُجَّارِ (ص: ۲۸)

ترجمہ: کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں؟ کیا ہم پرہیزگاروں اور بدکاروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کریں گے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ (الجاثیۃ: ۲۱)

ترجمہ: یہ لوگ جنہوں نے جرائم اور بدکاریوں کو اختیار کرلیا ہے، کیا ان کا خیال ہے کہ ہم ان مجرموں کو اپنے مومن وصالح بندوں کے ساتھ رکھیں گے؟ کہ ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہو۔ بُرا ہے اُن کا یہ فیصلہ اور بالکل غلط ہے ان کا یہ خیال۔

قرآن مجید کی اس دوسری دلیل کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مادی چیز کے بھی کچھ خواص اور آثار ہیں، مثلاً آگ میں گرمی اور جلانے کی خاصیت ہے، پانی میں ٹھنڈک اور بجھانے کی خاصیت ہے، زمین سے اگنے والی ہر جڑی بوٹی میں کوئی نہ کوئی خاصیت ہے حتیٰ کہ زمین کے کیڑے مکوڑوں میں بھی کچھ خواص ہیں اور اسی طرح انسان کے ہر مادی عمل اور ہر حیوانی فعل کے بھی آثار اور نتائج ہوتے ہیں، مثلاً کھانا کھانے سے پیٹ بھر جاتا ہے اور بھوک ختم ہوجاتی ہے، پانی پینے سے سیرابی حاصل ہوتی ہے اور پیاس دفع ہوتی ہے، دوڑنے بھاگنے سے آدمی تھکتا ہے اور جسم سے پسینہ نکلتا ہے، سخت چیز کھانے سے پیٹ میں درد ہوتا ہے، دست آور چیز کھانے سے دست آجاتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ انسان کے اچھے یا بُرے اخلاق واعمال (جو مادی اعمال وافعال سے یقیناً زیادہ اہم اور دُور رس ہیں) ان کے بھی کچھ آثار اور نتائج ہوں، مثلاً ایک شخص ہے جو خود بھوکا رہ کر دوسرے بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، مشقت اٹھاکے اور دور دراز سے پانی لاکر پیاسوں کو پلاتا ہے، غریبوں، کمزوروں کی خدمت کرتا ہے، مریضوں کی تیمارداری کرتا ہے اور اس دنیا میں اپنی اس نیک کرداری اور مخلصانہ خدمت گذاری سے کوئی نفع نہیں اٹھاتا تو ہماری عقل کا تقاضا ہے کہ اس کی یہ بلند ترین اخلاقی نیکیاں بے اثر اور بے نتیجہ نہ رہیں اور ان کا

جو بھی نتیجہ یا اثر ہونا چاہئے وہ کبھی نہ کبھی ظہور میں ضرور آئے۔ اسی طرح جو شخص مثلاً جیب تراشی اور چوری کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے یا جو جلاد دوسروں پر ظلم کرتا ہے، ان کے حقوق غصب کرتا ہے، رشوتیں لیتا ہے، کمزور پڑوسیوں کو ستاتا ہے یا اسی قسم کی دوسری اخلاقی بداعمالیاں کرتا ہے اور اس دنیا میں اس کی ان بدکاریوں کا کوئی اثر اور نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا تو اس شخص کے بارے میں بھی ہماری عقل پورے یقین کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے کہ اس کی ان بدمعاشیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ کبھی نہ کبھی ضرور ظاہر ہونا چاہئے اور اس کو ان کا خمیازہ بھگتنا چاہئے۔ عقل سلیم اس کو کسی طرح نہیں قبول کر سکتی کہ اشرف المخلوقات انسان جو اس کائنات میں سب سے زیادہ ذمہ دار مخلوق ہے، (بلکہ وہی اصل مقصود ہے اور باقی جو کچھ ہے یہ سب اس کے لئے ہے) اس کے ایسے ایسے اہم اور دوررس اچھے یا برے اعمال کا کوئی بھی اثر اور کوئی بھی نتیجہ نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو یہ اس عالم کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کے بالکل خلاف ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے۔

سورۂ جاثیہ کی جو آیت ابھی اوپر تلاوت کی گئی ہے اس سے بالکل متصل آیت ہے:

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الجاثیہ: ۲۲)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو (اور یہاں کی ہر چیز کو) صحیح اور حکیمانہ اصول پر پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جاوے گا۔

آخرت کے بارے میں جاہلانہ و احمقانہ شبہات اور شیطانی وساوس

قرآن مجید نے ایک طرف تو آخرت کے ضروری اور یقینی ہونے پر روشنی ڈالی اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی اور دوسری طرف ان جاہلانہ اور احمقانہ شبہات و وساوس کو صاف کیا جو کم غور و فکر کرنے والے عام ذہنوں میں آخرت کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں یا ایمان اور حق کی راہ سے لوگوں کو روکنے والے شیاطین ان کو پھیلاتے ہیں اور ان کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

قرآن پاک نے جا بجا منکرین کے ان شبہات و وساوس کو نقل بھی کیا ہے اور پھر اپنے خاص اطمینان آفریں انداز میں ان کے ایسے جوابات دیئے ہیں اور آخرت کو سمجھانے کے لئے ایسے شواہد و نظائر پیش کئے ہیں کہ دل بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور کسی بھی صاحب عقل کے لئے انکار یا استبعاد

کی گنجائش نہیں رہتی۔

آخرت کے بارے میں سب سے زیادہ مشہور اور پرانا شبہ وہی استبعاد کا (یعنی سمجھ میں نہ آنے کا) اور کسی مُردے کو اس دنیا میں زندہ ہوتے ہوئے نہ دیکھنے کا شبہ ہے جس کو زمانۂ نزول قرآن میں عرب کے منکرینِ آخرت بھی بار بار دُہراتے تھے اور ان سے پہلے اور ان کے بعد کے منکرین بھی زیادہ تر اسی کو پیش کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید اپنے زمانہ کے منکرین کے متعلق کہتا ہے:

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (المؤمنون: ۸۱ تا ۸۲)

ترجمہ: بلکہ انہوں نے بالکل ویسی ہی اور وہی بات کہی جو ان سے اگلے منکرین نے کہی تھی ،انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور (زمین میں دفن ہونے کے بعد) ہم مٹی اور ہڈیوں کا ڈھیر ہو جائیں گے تو کیا ہم اس کے بعد پھر زندہ کئے جائیں گے ؟(یعنی یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں ہے، نہ دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہے!)

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝ (النمل: ۶۷)

ترجمہ: اور منکروں نے کہا کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے آباؤ اجداد (جو پہلے مر کر مٹی ہو چکے ہیں) تو کیا ہم سب پھر سے پیدا کئے جائیں گے ؟

ایک اور موقع پر ان ہی کا قول نقل کیا گیا ہے:

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ (ق: ۳)

ترجمہ: کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے (تو اس کے بعد ہم کو دوبارہ زندگی دی جائے گی؟) یہ واپسی یعنی دوبارہ زندگی تو بہت بعید ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آخرت کا انکار کرنے والوں کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے، یعنی کسی دلیل اور برہان سے وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آخرت (جس کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں نے اور اس کی کتابوں نے دی ہے) وہ ناممکن اور محال ہے، وہ جو کچھ کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں، وہ بس یہی ہے کہ "مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا بہت مستبعد ہے اور ہماری سمجھ سے باہر ہے اور ہم نے کبھی ایسا ہوتے نہیں دیکھا۔ "لیکن جس شخص نے اللہ کو اور اس کی صفات اور خاص کر اس کی

وسیع قدرت کو کچھ جان لیا ہو اور اس کارخانۂ ہستی میں کچھ غور و فکر کیا ہو اس کے نزدیک یہ بات سراسر جاہلانہ اور احمقانہ ہے۔

قرآن مجید نے بھی ان منکرین کو سمجھانے کے لئے یہی آسان طریقہ اختیار کیا ہے کہ ان کو بتلایا کہ تم مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کو بہت بڑی اور بہت مشکل بات سمجھتے ہو اور صرف اسی لئے تم اس سے انکار کرتے ہو، بیشک وہ بہت بڑی بات ہے، لیکن جس علیم و حکیم اور قدیر و خبیر اللہ تعالیٰ نے یہ سارا عالم پیدا کیا ہے اور جو اس کو چلا رہا ہے، اس کی عالی شان اور اس کی بے انتہا قدرت کے سامنے یہ نہ مشکل ہے، نہ کوئی بڑی بات ہے۔

پھر اس دنیوی زندگی میں حیات بعد الموت کے جو خاص نظائر اور شواہد ہیں قرآن مجید ان کی طرف بھی ان منکرین کی رہنمائی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ان میں غور کرو، مثلاً اس دنیا میں خود تم جو پیدا کئے گئے ہو، اس اپنی پیدائش ہی پر غور کرو اور اسی طرح جنگل کی سوکھی بے جان زمین پر رحمت کا پانی برسا کر اللہ تعالیٰ جس طرح اس میں جان ڈال دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں چٹیل میدان جس طرح سبزہ زاروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں ان میں غور و فکر کرو تو حیات بعد الموت کے مسئلہ کو بڑی آسانی سے سمجھ لوگے اور پھر اس میں تمہارے لئے کوئی استبعاد اور استعجاب نہیں رہے گا۔

منکرین آخرت کے بے بنیاد شبہات کا جواب

قرآن مجید نے اس مسئلہ پر بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ روشنی ڈالی ہے اور منکرین آخرت کے ان بے بنیاد استبعادات اور بے دلیل وہمی اشکالات کو جا بجا رفع کیا ہے۔ چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں بھی پڑھ لیجئے۔

سورہ یٰسین کے بالکل آخر میں آخرت کے متعلق ان ہی وہمی شبہات و وساوس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا حوالہ دے کر منکرین کی عقلوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۙ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (یٰس: ۸۱ تا ۸۲)

ترجمہ: کیا وہ قادر مطلق جس نے آسمان و زمین (اور ان کے درمیان کی ساری مخلوقات) کو پیدا کیا ہے، اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کرے، بلاشبہ وہ ضرور اس کی قدرت رکھتا ہے اور وہ تو بہت مخلوق پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، تو اتنے ہی سے وہ ہو جاتی ہے۔

یعنی کسی چیز کو وجود بخشنے اور پیدا کرنے کے لئے صرف اس کا ارادہ اور اس کی مشیت کا اشارہ کافی ہے، تو اس کے لئے اپنی کسی مخلوق کو ایک دفعہ موت دے کے پھر سے زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

اور سورۂ روم میں فرمایا:

وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (الروم: ۲۷)

ترجمہ: وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا (اور ظاہر ہے کہ ایک دفعہ پیدا کرنے کے بعد پھر دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے زیادہ آسان ہے) اور آسمان و زمین میں اس کی شان سب سے اعلیٰ ہے اور وہ زبردست (قادر مطلق) اور حکمت والا ہے۔

اور سورۂ حج میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ (الحج: ۵ تا ۷)

ترجمہ: اے لوگو! اگر تم کو قیامت اور بعث بعد الموت کے بارے میں کوئی شک ہے

تو(غور کرو کہ) ہم نے تم کو بنایا ہے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بندھے ہوئے خون سے پھر گوشت کے متشکل یا غیر متشکل ٹکڑے سے، تاکہ ہم اپنی قدرت تمہارے لئے ظاہر کریں اور ہم ٹھیرا دیتے ہیں جس نطفہ کو چاہیں رحم میں ایک مقررہ مدت تک، پھر باہر لاتے ہیں تم کو بچہ بنا کر تاکہ پھر تم پہنچو اپنی پوری جوانی کو اور بعضے تم میں وہ ہوتے ہیں جو اٹھالئے جاتے ہیں (جوانی ہی میں) اور بعضے وہ ہوتے ہیں جو پہنچائے جاتے ہیں (بڑھاپے والی) نکمی عمر تک۔ (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) علم و فہم حاصل کرنے کے بعد وہ پھر (سٹھیا کر) علم سے کورے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور (دوسری ایک دلیل اور نشانی بعد الموت کی یہ ہے کہ) تم دیکھتے ہو زمین کو خشک، پھر جب ہم نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی پھلتی ہے اور طرح طرح کے خوش رنگ سبزے اگاتی ہے، یہ سب اسی لئے ہے کہ اللہ کی ہستی ہی حق ہے اور (تم اپنے ان مشاہدوں سے سمجھ سکتے ہو کہ) وہ جِلانے والا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اور یہ کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا قبروں کے دفن مُردوں کو۔

قرآن مجید کی ان آیات کا حاصل یہی ہے کہ بعث بعد الموت کے مسئلہ میں شک کرنے والا، مگر اس کو سمجھنے کا ارادہ رکھنے والا انسان اگر خود اپنی آفرینش اور پیدائش میں اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی اپنی اس زندگی کی ان مسلسل تبدیلیوں میں غور کرے جن پر اس کا کوئی اختیار نہیں چلتا اور جو صرف اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہیں اور اسی طرح اگر وہ زمین کی حالت کے اس تغیر و تبدل میں غور کرے کہ ایک موسم میں وہ بالکل خشک و بے جان اور مُردہ پڑی ہوتی ہے اور اس میں زندگی کی کوئی رمق اور کوئی لہر نہیں دیکھی جاتی، پھر جب اللہ اپنی رحمت کا پانی اس پر برسا دیتا ہے تو اسی مردہ زمین میں سے زندگی اور شادابی سبزہ کی شکل میں اُبل پڑتی ہے۔ (الغرض انسان اگر خود اپنی ہستی اور اپنے پاؤں کے نیچے والی زمین کے ان انقلابات پر ایک طالب صادق کی طرح غور کرے) تو بعث بعد الموت اور قیامت کے بارے میں اسے کوئی اشتباہ اور استبعاد نہیں رہ سکتا۔

اور سورۂ روم میں ایک جگہ فرمایا:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ (الروم: ۱۹)

ترجمہ: اللہ نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندگی بخشتا ہے زمین کو مردگی کے بعد۔ (پس جس طرح دنیا میں اللہ کی قدرت سے نیستی کے بعد ہستی اور موت کے بعد زندگی کا یہ سلسلہ جاری ہے) اسی طرح تم مرنے کے بعد قیامت میں زندہ اٹھائے جاؤ گے۔

اور اسی سورۂ روم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۠ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (الروم: ۵۰)

ترجمہ: اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھو! وہ کیسے حیات تازہ بخش دیتا ہے زمین کو اس کے خشک و بے جان اور بالکل مردہ ہو جانے کے بعد، ہاں ہاں بلاشبہ یہی اللہ دوبارہ زندہ کرنے والا ہے مردوں کو اور اس کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

اور سورۂ فصلت میں فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الفصلت: ۳۹)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو خشک پڑی ہوئی آثار حیات سے خالی، پھر جب ہم برسا دیتے ہیں اس پر پانی تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی پھلتی ہے، یقیناً وہی قادر مطلق جس نے مردہ زمین کو یہ زندگی بخشی وہی دوبارہ زندہ کرنے والا ہے مردوں کو، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور سورۂ زخرف میں فرمایا:

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (الزخرف: ۱۱)

ترجمہ: اور وہ اللہ جس نے پانی برسایا آسمان سے ایک خاص مقدار میں پھر اس کے ذریعہ زندگی بخشی کسی مردہ علاقہ کو (تو جس طرح بارش برسا کر وہ مردہ علاقوں کو نئی زندگی بخشتا ہے) اسی طرح (اس کے حکم سے) تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ گے۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان آیات اور ان جیسی اپنی اور سینکڑوں آیات میں حیات

بعد الموت اور حشر و نشر کے اس مسئلہ کو ایسا آسان کر کے سمجھایا ہے اور کم عقلوں کے احمقانہ شبہات اور وہمی استبعادات کو رفع کرنے کے لئے ایسے عام فہم اور دلنشین دلائل پیش کئے ہیں جن کے بعد کسی استبعاد و اشکال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور مسئلہ ایسا روشن اور بدیہی ہو جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اس پر کسی کو تعجب ہو، اس کے انکار اور اس کے بارے میں شک و شبہ کے اظہار پر لوگوں کو تعجب ہونا چاہئے۔ یہی بات قرآن مجید میں اس بلیغ انداز میں فرمائی گئی ہے:

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (الرعد: ۵)

ترجمہ: اور اگر تم لوگوں کو تعجب ہو تو تعجب اور حیرت کے قابل ان (احمقوں) کا یہ کہنا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو پھر ایک نئی پیدائش اور نئی زندگی ملے گی؟

گویا کہ حیات بعد الموت اور حشر نشر کے مسئلہ پر قرآن مجید نے جو روشن دلائل پیش کئے ہیں، ان کے سامنے آجانے کے بعد کسی منکر کا یہ کہنا کہ:

"مر کر ہمارے جسموں کے مٹی ہونے کے بعد ہم دوبارہ نئے سرے سے کیسے پیدا کئے جائیں گے"؟ ایسی قابل تعجب حماقت اور سفاہت ہے جس پہ جس قدر بھی تعجب کیا جائے، کم ہے۔

آخرت میں کیا کیا ہونے والا ہے؟

قرآن مجید اپنے اصل مقصد و موضوع کے لحاظ سے چونکہ انذار و تبشیر، ترغیب و تحذیر اور ہدایت و نصیحت کا صحیفہ ہے، فلسفہ یا علم کلام کی کتاب نہیں ہے، اس لئے آخرت کے متعلق استدلالی بحث سے بہت زیادہ اس میں آخرت میں پیش آنے والے اُن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے تذکرہ سے ایک سلیم الفطرت آدمی کے دل میں آخرت کی فکر اور خدا کا خوف پیدا ہو سکتا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے۔

آخرت کی منزلیں

موت در اصل اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف انتقال ہی کا دوسرا نام ہے اور اس لحاظ سے

آخرت کا سفر گویا موت ہی سے شروع ہو جاتا ہے، لیکن مرنے کے دن سے لے کر قیامت تک کا جو زمانہ ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے، اس کی نسبت عالم آخرت کے لحاظ سے قریب قریب وہی ہے جو نسبت زمانۂ حمل کو اس دنیوی زندگی سے ہے۔ گویا آخرت کی اصل زندگی اگرچہ قیامت سے شروع ہو گی اور جزا و سزا کا اصل ظہور قیامت کے بعد ہی ہو گا لیکن موت سے لے کر قیامت تک کا دور اس کی اسی طرح کی تمہیدی اور برزخی منزل ہے جیسے کہ اس دنیا میں آنے کے لئے ہر آدمی کو کچھ مدت ماں کے پیٹ میں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اسی واسطے قرآن مجید میں وقتِ موت سے قیامت تک کے اس برزخی دور کا ذکر بہت کم اور صرف مجملاً کیا گیا ہے، البتہ قیامت، حشر و نشر، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا ذکر بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ اور ایسے تفصیلی انداز میں کیا گیا ہے جو انسانوں کے دلوں میں آخرت کی فکر اور خدا کا خوف پیدا کرنے کے لئے بالکل کافی بلکہ کافی سے بھی بہت زیادہ ہے اور بلاشبہ اس خصوصیت میں وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں بھی پڑھ لیجئے۔

سورۂ مؤمنون میں ایک جگہ عالم آخرت کی ان تمام منزلوں کا ذکر کسی قدر اجمال کے ساتھ اس طرح فرمایا گیا ہے:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (المؤمنون:۹۹ تا ۱۰۴)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب آتی ہے ان مجرموں میں سے کسی کو موت تو اس وقت وہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! مجھے پھر دنیا میں واپس لوٹا دے تاکہ جو کچھ میں چھوڑ آیا ہوں، اس میں نیک عمل کروں اور زندگی میں جو کوتاہیاں کی ہیں، جا کر ان کی تلافی کروں۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہرگز نہیں، یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے۔ (یعنی موت کے بعد ہرگز کسی کو واپسی کی اجازت نہیں) اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔ (یعنی موت کے بعد باوجود تمنا اور التجا کے) وہ دنیا میں واپس نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ قیامت کے دن تک ایک بندش میں (اور گویا ایک قسم کی حوالات

میں) رہیں گے پھر جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت قائم ہو گی تو اس دن ان کے سارے باہمی رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے اور ان میں سے کوئی کسی کا پُرسان حال نہ ہو گا (اور اس دن ہر ایک کا فیصلہ اس کے اعمال پر ہو گا) پس جن لوگوں کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہو گا وہی اس دن کامیاب اور بامراد ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہو گا تو وہی وہ ہوں گے جنہوں نے اپنے کو تباہ کر ڈالا، وہ جہنم ہی میں پڑے رہیں گے، آگ جھلستی ہو گی ان کے چہروں کو اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔

اور سورۂ قٓ میں موت اور پھر قیامت کا ذکر ایک جگہ اس طرح فرمایا گیا ہے:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ (ق: ۱۹ تا ۲۲)

ترجمہ: (ہر شخص ہوشیار ہو جائے) سکراتِ موت کا وقت اللہ کے ٹھیک فیصلہ کے مطابق قریب آچکا ہے، یہ موت وہ چیز ہے جس سے اے انسان! تو بدکتا اور بھاگتا تھا۔ (اور نہ سمجھو کہ موت پر قصہ ختم ہے بلکہ قیامت جس کی تم کو خبر سنائی جارہی ہے وہ یقیناً اپنے وقت پر آئے گے اور سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے) صور پھونکا جائے گا ،وہی وعید کا دن ہو گا، اس دن ہر شخص آخرت کی عدالت گاہ کی طرف اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ اس کو ساتھ لانے والا ہو گا اور ایک سرکاری گواہ کی حیثیت سے ہو گا۔ (ان میں جو منکر اور آخرت فراموش ہو گا، اس سے کہا جائے گا) تو عدالت اور انصاف کے اس دن سے بے خبر اور غافل تھا، ہم نے تیری آنکھوں سے اب پردہ ہٹادیا ہے پس اب تیری نگاہ خوب تیز ہے (اور جن حقیقتوں کا تو منکر تھا اب وہ تیری آنکھوں کے سامنے ہیں۔)

اور سورۂ نمل میں قیامت اور اس کی ہولناکیوں کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل: ۸۷ تا ۸۸)

ترجمہ: اور جس دن کہ (دنیا کے اس نظام کو درہم برہم اور فنا کرنے کے لئے اللہ کے حکم سے) صور پھونک دیا جائے گا تو زمین و آسمان کی ساری مخلوق (ہر آدمی اور فرشتے وغیرہ اس کی ہیبت اور دہشت سے) سخت گھبرا جائیں گے (اور بے ہوش وحواس ہو جائیں گے) سوائے ان چند ہستیوں کے جن کو اللہ تعالیٰ (اس گھبراہٹ اور بے ہوشی سے) اس وقت محفوظ رکھنا چاہے گا اور سب عاجزی اور بے چارگی کی کیفیت کے ساتھ اس کے سامنے حاضر ہو جائیں گے اور تم دیکھتے ہو پہاڑوں کو (اور ان کے ظاہری حال سے) تم سمجھتے ہو کہ یہ (ہمیشہ) جامد و ساکن رہنے والے ہیں (اور اپنی جگہ سے ہلنے والے نہیں ہیں مگر جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا) تو یہ پہاڑ اس وقت ایسے اُڑے اُڑے پھرتے ہوں گے جیسے فضا میں بدلیاں پھرتی ہیں۔

اور سورۂ حج میں قیامت کے ہوش رباشدائد کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج: ۱ تا ۲)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار کے قہر و جلال سے ڈرو، یقین کرو قیامت کا بھونچال بڑا ہی خوفناک ہو گا، جب (وہ قیامت آئے گی اور) تم اس کو دیکھو گے (تو یہ حالت ہو گی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا یہاں تک کہ) دودھ پلانے والی مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور اس وقت لوگوں کو تم دیکھو گے نشہ کی سی حالت میں (بے حس و حرکت) اور اس وقت درحقیقت وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن (خدا کے قہر و عذاب کی دہشت سے ان کی یہ حالت ہو گی۔) اللہ کا عذاب بڑی ہی سخت چیز ہے۔

اور سورۂ کہف میں قیامت اور حشر کے بیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی اور مجرمین کی اس وقت کی حالت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۬ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ (الکہف: ۴۷ تا ۴۹)

ترجمہ: (اور خیال کرو اس دن کا جب دنیا کا یہ نظام ہمارے حکم سے درہم برہم ہو گا) اور) ہم پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہٹادیں گے (اور زمین کی ساری آبادیاں مسمار کر کے برابر کر دی جائیں گی) اور تم دیکھو گے زمین کو کھلا میدان (جس پر کوئی پہاڑ ہے نہ کوئی آبادی) اور ہم سب بندوں کو (دوبارہ زندہ کر کے اپنی عدالت گاہ میں) جمع کریں گے، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے اور تمہارے پروردگار کے سامنے وہ قطار در قطار پیش کئے جائیں گے۔ (تب ان سے کہا جائے گا کہ) تم کو جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ دنیا میں پیدا کیا تھا اسی طرح (ہمارے حکم سے دوبارہ زندہ ہو کر) آج تم ہمارے پاس آگئے، مگر تم نے تو یہ خیال باندھ لیا تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے (اور قیامت جس کی خبر پیغمبر دیتے ہیں، کبھی نہ آئے گی، تو اب تم نے دیکھ لیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟) اور اعمال کا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا تو اس وقت تم دیکھو گے مجرموں کو کہ اس دفتر میں ان کے اعمال کی جو تفصیل ہے وہ اس سے ہراساں اور اس کے انجام سے خوف زدہ ہیں، وہ اس وقت (یاس و حسرت سے) کہہ رہے ہونگے ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسا دفتر ہے؟ جس نے نہ کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے اور نہ بڑا عمل، سب ہی اس میں محفوظ ہیں اور وہ پائیں گے اس میں اپنے تمام اعمال موجود اور تمہارا پروردگار کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ (وہ جن مجرموں کے لئے عذاب اور سزا کا فیصلہ کرے گا ان کی بداعمالیوں ہی کی بنا پر کرے گا)

اور سورہ مومن میں قیامت کے دن کا ایک منظر اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے:

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّ لَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ (المؤمن: ۱۸ تا ۱۹)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) آپ ان کو قریب آنے والی قیامت کے دن سے خبردار کر دیجئے جب کہ کلیجے منہ کو آرہے ہونگے (اور لوگ مارے دہشت اور گھبراہٹ کے)

اپنے دلوں کو دبا رہے ہونگے (کہ کہیں منہ کی راہ سے نکل نہ جائیں۔) اس دن ظالموں اور مجرموں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مان لی جائے۔ (بس فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا جو) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور سینوں کے چھپے رازوں تک کو۔

اور سورۂ یٰس میں قیامت کے دن مجرموں کی ذلت و رسوائی اور بے بسی کا ایک لرزہ خیز اور عبرتناک منظر یہ بیان فرمایا گیا ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ (یٰسین: ۶۵)

ترجمہ: آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے (اور ان کی روداد عمل بتائیں گے) اور ان کے پاؤں ان کے اعمال و افعال کی گواہی دیں گے۔

قرآن مجید میں جا بجا بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے شدائد اور ہولناکیوں کا ایک غیر معمولی اثر لوگوں پر یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک کو صرف اپنی پڑی ہوگی اور قریب ترین عزیز بھی اس دن کسی کے کام نہ آئیں گے، بس نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ سورۂ عبس میں اس حالت کا کس قدر موثر اور لرزہ خیز نقشہ کھینچا گیا ہے:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ (العبس ۳۲ تا ۴۱)

ترجمہ: تو جب کانوں کو بہرہ کر دینے والی چیخ پکار برپا ہوگی، جس دن کہ (پریشانی اور گھبراہٹ کا یہ عالم ہوگا کہ) بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنے ماں باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے، (اپنے ان پیاروں کے ساتھ بھی کوئی ہمدردی نہیں کرے گا) اس دن ہر آدمی کو اپنی ایسی فکر ہوگی جو کسی اور کی طرف اس کو متوجہ ہی نہ ہونے دے گی، بہت سے (بندگان خدا کے) چہرے اس دن روشن خنداں اور شاداں و فرحاں ہونگے اور بہت سے چہرے (مجرموں کے) اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر خاک پڑی

ہو گی اور سیاہی چڑھی ہو گی۔

ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کا بہت زیادہ حصہ قیامت اور حشر و نشر کے متعلق اسی طرح کے بیانات پر مشتمل ہے، بلکہ قرآن مجید کی بعض پوری پوری سورتیں بھی قیامت اور آخرت ہی کے بیان سے بھری ہوئی ہیں، یہاں صرف چند آیتیں ہی نقل کر دی گئی ہیں ۔ چنانچہ سورۂ واقعہ، سورۂ حاقہ، سورۂ قیامہ، سورۂ تکویر، سورۂ انفطار، سورۂ انشقاق، سورۂ غاشیہ میں قیامت اور آخرت ہی کے احوال اور مناظر کا بیان ہے۔ ان بڑی بڑی سورتوں کے نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں تاہم ایک چھوٹی سی سورت جس میں صرف قیامت ہی کا بیان ہے یہاں بھی پڑھ لیجئے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۵﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ؕ﴿۶﴾ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾ (الزلزال)

ترجمہ: جب زمین قیامت کے بھونچال سے زیر و زبر کر دی جائے گی اور اپنے اندر کے بوجھ (دفن شدہ مردے اور دوسری چیزیں) باہر نکال دے گی اور انسان اس حالت کو دیکھ کر کہے گا کہ اس زمین کو یہ کیا ہوا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں اور سرگذشت بیان کرے گی (کہ فلاں بندے نے مجھ پر یہ اچھا یا برا عمل کیا اور فلاں نے یہ کیا) اس سبب سے کہ تیرے رب نے حکم دیا ہو گا اس کو، اس روز لوگ مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر لوٹیں گے تاکہ اپنے اعمال دیکھیں (اور ان کا صلہ پائیں یا سزا بھگتیں) پس جو شخص یہاں ذرہ برابر اچھا عمل کرے گا وہ اس کو وہاں دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ وہاں اس کے سامنے آجائے گا۔

جنت اور دوزخ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے تمام رسولوں اور پیغمبروں نے اور اس کے نازل کئے ہوئے تمام صحیفوں نے اس حقیقت کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور انسان کا دائمی وطن جنت یا دوزخ ہے اور جنت اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت و رافت اور فضل و کرم کا انتہائی مظہر ہے اور اس کی ان جمالی صفات کا پورا پورا ظہور بس وہیں ہو گا اور اسی طرح دوزخ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا انتہائی مظہر ہے اور ان جلالی صفات کا پورا پورا ظہور وہیں ہو گا۔

اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے اس بارے میں جو کچھ انسانوں کو بتلایا، بلاشبہ وہ من و عن حق ہے اور بالکل اسی طرح سامنے آنے والا ہے جس طرح کہ انہوں نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح نادان بچوں کو ڈرانے دھمکانے یا ان میں کسی چیز کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کے لئے ان کے بڑے بہت سی بے حقیقت باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں نے جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا بیان کیا ہے، بالکل ایسی احمقانہ بات ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ ان پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے یا قیامت کے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے وہ بھی بس ڈراوے اور بہلاوے کے لئے ہے ورنہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

قرآن مجید چونکہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس کے بعد اب کوئی کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہونے والی نہیں ہے، اس لئے دوسرے مضامین کی طرح اس میں جنت و دوزخ کا بیان بھی پوری تفصیل سے اور اتنی کثرت سے بیان کیا گیا ہے جو انسانوں میں نیک عملی کا جذبہ اور بد عملی سے بچنے کی فکر پیدا کرنے کے لئے یقیناً کافی سے زائد ہے بشرطیکہ انسان کا قلب مردہ نہ ہو گیا ہو۔

دوزخ اور جنت کے حالات سے متعلق چند آیتیں یہاں بھی پڑھ لیجئے، پہلے دوزخ اور اس کے

عذاب کا حال پڑھئے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (التحریم:۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس (خوفناک اور تباہ کن) آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن اور سوختہ آدمی اور پتھر ہیں، جس پر نہایت تند خو اور درشت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے دیئے ہوئے حکم کی ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے بالکل وہی کرتے ہیں۔ (اس لئے ان سے قطعاً اس کی امید نہیں کہ وہ اللہ کے کسی مجرم کے ساتھ اس کے حکم کے خلاف کوئی رعایت یا نرمی کریں گے۔)

اور سورۂ کہف میں ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (الکہف:۲۹)

ترجمہ: اور اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ پس جس کا جی چاہے مانے اور ایمان لائے اور جس کا جی چاہے نہ مانے اور کفر و انکار پر ہی جما رہے، یقین رکھو ہم نے ایسے ظالموں کے لئے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے، اس کی قناتیں انہیں گھیرے ہوئے ہیں اور جب وہ اس میں پڑ کر پیاس کی فریاد کریں گے تو اس کے جواب میں ان کو پانی دیا جائے گا (جو اپنی بدصورتی اور گھنونے پن میں) تیل کی گاد جیسا ہوگا (اور ایسا جلتا کھولتا ہوگا) کہ بھون ڈالے گا چہروں کو، کیا ہی برا پانی ہوگا اور بڑی بُری آرام گاہ ہے دوزخ!

اور سورۂ محمد میں دوزخیوں کے متعلق ارشاد ہے کہ:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝ (محمد: ۱۵)

ترجمہ: ان کو پینے کو دیا جائے گا کھولتا پانی، پس وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گا ان کی انتڑیوں

کو۔

اور سورۂ مومن میں ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۙ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾ (المؤمن: ۷۰ تا ۷۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری کتاب کو اور ہمارے ان احکام کو جن کو لے کر ہم نے اپنے رسول بھیجے، ان کو عنقریب (نتیجہ) معلوم ہو جائے گا، جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں (ان طوقوں میں جکڑی ہوں گی جن سے) وہ گھسیٹے جائیں گے، کھولتے پانی میں لے جائے جائیں گے پھر دہکتی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

اور سورۃ الحج میں ارشاد ہے:

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۚ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۚ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۣ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ (الحج: ۱۹ تا ۲۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے کترے جاویں گے اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا، اس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی چیزیں بھی سب گل جائیں گی اور ان کی ٹھکائی پٹائی کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے، وہاں کی تکلیف اور سختی کی وجہ سے وہ جب اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور کہا جائے گا کہ یہیں جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔

اور سورۂ دخان میں "زقوم" کو دوزخیوں کی "خوراک" بتلاتے ہوئے اس کی ہیئت اور کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۚ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۙ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۚ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ (الدخان: ۴۳ تا ۴۸)

ترجمہ: بیشک زقوم کا درخت بڑے پاپیوں (کافروں اور مشرکوں) کا کھانا ہوگا جو اپنی بدصورتی اور گھنونے پن میں تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور وہ پیٹوں میں جاکر ایسے کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر نہایت تکلیف دینے والا جلتا ہوا پانی چھوڑدو۔

اور سورۂ ابراہیم میں جہنم میں جانے والے سرکش مجرموں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ (ابراہیم: ۱۶ تا ۱۷)

ترجمہ: اور پینے کو دیا جائے گا ایسا پانی جو دراصل (جہنمیوں کا) لہو و پیپ ہوگا جس کو وہ گھونٹ گھونٹ کرکے پئے گا اور گلے سے اس کو آسانی سے نہ اتار سکے گا اور ہر طرف سے اس پر موت کی یورش ہوگی اور وہ (کم بختی کا مارا) مرے گا بھی نہیں اور اس کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۭ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (فاطر: ۳۶ تا ۳۷)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، نہ تو ان کی قضا ہی آوے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور وہ اس میں پڑے چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس دوزخ سے نکال دے، ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اس کے جو (اپنی شامت سے) پہلے کرتے تھے۔ (ان کی اس چیخ وپکار کا جواب ملے گا کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہو تا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا پس اب مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اور سورۂ زخرف میں فرمایا:

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾ (الزخرف: ۷۴ تا ۷۶)

ترجمہ: یقین رکھو کہ مجرمین (جنہوں نے کفر یا شرک کا جرم کیا) ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے، ان کا عذاب ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور یہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم ہیں (اور یہ ان کی ظالمانہ اور مجرمانہ حرکتوں ہی کی سزا ہے۔)

جنت

اب چند آیتیں جنت اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے بیان کے متعلق بھی پڑھ لیجئے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

(اٰل عمران: ۱۵)

ترجمہ: ان بندوں کے لئے جنہوں نے پرہیز گاری اختیار کی ان کے پروردگار کے ہاں وہ جنتیں (یعنی ایسے باغات) ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان ہی میں رہیں گے اور پاک ستھری بیبیاں ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے اور اللہ اپنے سب بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے (کسی کا حال اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔)

اور سورۂ محمد میں ارشاد ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (محمد: ۱۵)

ترجمہ: وہ جنت جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے کیا گیا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس میں

بہت سی نہریں ہیں پانی کی، اس میں ذرا تغیر نہ ہو گا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جس کا ذائقہ ذرا بدلا نہ ہو گا اور بہت سی نہریں ہیں حلال اور پاک شراب کی جس میں بڑی لذت ہے پینے والوں کے لئے اور بہت سی نہریں ہیں صاف کئے ہوئے شہد کی اور ان کے واسطے اس جنت میں سب طرح کے پھل ہیں اور بخشش ہے ان کے پروردگار کی۔

اور سورۃ الحجر میں ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (الحجر: ۴۴ تا ۴۸)

ترجمہ: یقین کرو کہ اللہ کے پرہیز گار بندے بہشت کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (ان کے لئے فرمان ہو گا کہ) سلامتی اور امن کے ساتھ (ہماری تیار کی ہوئی) اس بہشت کے اندر آجاؤ اور ان کے دلوں میں (دنیوی زندگی کے اختلافات کے اثر سے) جو کینہ ہو گا، ہم اس کو دور کر دیں گے (جس کے بعد وہ) بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے، کسی قسم کی کوئی تکلیف وہاں ان کو نہ پہنچے گی اور نہ کبھی وہ جنت سے نکالے جائیں گے۔

اور سورۂ یٰس میں ارشاد ہے:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰسین: ۵۵ تا ۵۸)

ترجمہ: اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے، وہ اور ان کی بیبیاں سایہ میں مسہریوں پر تکئے لگائے ہوئے ہوں گے، ان کے لئے وہاں طرح طرح کے میوے ہونگے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا، رحمت و کرم والے پروردگار کی طرف سے وہاں ان کو "سلام" فرمایا جائے گا۔

اور سورۂ زخرف میں ارشاد ہے:

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا

وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الزخرف: ۶۸ تا ۷۱)

ترجمہ: اے میرے بندو! آج تم کو کوئی خوف نہیں اور اب تمہیں کوئی رنج و غم نہ ہو گا۔ یعنی وہ بندے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور ہماری فرمانبرداری کرتے تھے (ان کے لئے فرمان ہو گا) تم اور تمہاری بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاؤ سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں میں کھانے پینے کی چیزیں ان کے پاس لائی جائیں گی اور وہاں وہ سب کچھ ہو گا جو ان کے جی چاہیں گے اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہو گی اور اے بندو! تم ہمیشہ اسی میں رہو گے۔

اور سورۂ فاطر میں ہے کہ جنتی جنت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کی بے پایاں بارش اپنے اوپر برستی دیکھ کر جذبہ تشکر سے سرشار ہو کر عرض کریں گے:

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝ (فاطر: ۳۴ تا ۳۵)

ترجمہ: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا، بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ رہنے کے اس مقام (جنت) میں لا اتارا، جہاں ہم کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور کوئی خستگی کبھی نہ پہنچے گی۔

دوزخ کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جن دکھوں اور تکلیفوں سے انسان اس دنیا میں بچنا چاہتا ہے اور جن سے بچنا اس کی فطرت کا تقاضا ہے، دوزخ میں وہ سارے دُکھ اور تکلیفیں اس دنیا سے ہزاروں لاکھوں درجہ بڑے پیمانے پر جمع کر دی گئی ہیں۔

قرآن مجید کا مقصد دوزخ کے اس بیان سے یہی ہے کہ جو انسان اس دنیا میں ایک دن کے لئے بھی یہ دکھ اور یہ تکلیفیں سہنے کے لئے تیار نہیں ہے، اس کو چاہئے کہ وہ خدا کی بغاوت اور نافرمانی کے اس راستہ سے بچے جو اس دوزخ میں پہنچانے والا ہے، جہاں جانے والے ان دکھوں اور تکلیفوں

میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

اسی طرح جنت کے متعلق قرآن مجید میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ انسان کی فطرت میں جن جن راحتوں اور لذتوں کی خواہش اور طلب بھری ہوئی ہے، جنت میں وہ سب راحتیں اور لذتیں بدرجہ کمال جمع کر دی گئیں ہیں، پس انسان کو چاہئے کہ وہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اس راہ کو اپنی راہ بنائے جو اس جنت میں پہنچانے والی ہے، جس میں انسان کی تمام فطری خواہشوں اور آرزوؤں کی تکمیل کا سامان بھرپور موجود ہے اور وہاں پہنچنے والے وہاں کی لذتوں اور راحتوں سے ہمیشہ ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

آخرت کے بیان کو ہم اسی پر ختم کرتے ہیں اور جنت و دوزخ کے خالق و مالک سے دُعا کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَالنَّارِ۔ اٰمین!

(اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی رضا اور جنت مانگتے ہیں اور آپ کے غضب سے اور دوزخ سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں!)

نبوت ورسالت

قرآن مجید جس نظام زندگی کی انسانوں کو دعوت دیتا ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ اسکی پہلی بنیاد تو یہ ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک لہ کی ہستی اور اسکی صفات کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ واقع میں وہ ہیں۔

اور دوسری بنیاد یہ ہے کہ آخرت کی زندگی اور وہاں کی جزا وسزا پر یقین لایا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل وحکمت اور شانِ حاکمیت کا لازمی تقاضا ہے اور جسکے بغیر یہ دنیا ناقص وناممکن بلکہ محض عبث اور بے مقصد تماشا ہے۔ ان دونوں بنیادوں کے بارے میں قرآن کریم نے جو کچھ بتلایا ہے، ہم اپنے ناظرین کے سامنے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کو پیش کر چکے ہیں۔

زندگی کی تیسری اہم اعتقادی بنیاد جسکے ماننے کی قرآن مجید دعوت دیتا ہے اور جسکو اپنی دینی تعلیم ودعوت کی اصل واساس ٹھہراتا ہے، یہ ہے کہ رسالت وپیغمبر کے پوری سلسلے کو مانا جائے، یعنی پہلے تو اس اصولی حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ انسانوں کی ضروت کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے غذا اگانے والی زمین پیدا کی، روشنی اور گرمی پہنچانے والا سورج پیدا کیا اور ہوا، پانی وغیرہ وہ ساری چیزیں پیدا کیں جن کے ہم اس دنیوی زندگی میں محتاج ہیں، اسی طرح اس نے اپنی ذات وصفات کا صحیح علم عام انسانوں تک پہنچانے کے لئے اور اس طریقۂ زندگی کی تعلیم وہدایت کیلئے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے مقرر کیا ہے اور جس پر چل کر انسان اللہ کی رضا اور حقیقی نجات وفلاح حاصل کر سکتا ہے، اس نے نبوت ورسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمایا اور ہر زمانہ اور دنیا کے ہر خطہ میں اسکی ضرورت اور تقاضے کے مطابق نبی اور رسول بھیجے۔ یہ سب اللہ کے پیارے اور برگزیدہ بندے تھے اور اپنے وقت میں جو ہدایت وتعلیم انہوں نے دنیا کو دی، وہ بلاشبہ خدا کی سچی تعلیم تھی۔ الغرض قرآن مجید پورے زور اور اصرار کے ساتھ اسکی دعوت دیتا ہے کہ اللہ کے سب پیغمبروں پر (خواہ وہ کسی زمانہ، کسی ملک اور کسی قوم میں آئے ہوں) بلا تفریق ایمان لایا جائے، سب کی سچائی اور پاکبازی کی شہادت دی جائے اور اللہ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے دائرہ اور حلقہ

میں سب کو واجب الاطاعت مانا جائے۔

اسی کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کا دور ختم ہو چکا، اب دنیا کے اس دور کے لئے اللہ کے نبی ورسول حضرت محمد عربی (ﷺ) ہیں۔ نیز قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بھی اعلان کرتا ہے کہ جو ہدایت و تعلیم لے کر ہم نے آپ کو بھیجا ہے، وہ نہ صرف اگلے نبیوں ورسولوں کی ان ساری تعلیمات پر حاوی ہے جو اپنے اپنے وقت پر لے کر آئے تھے بلکہ پچھلے پیغمبروں کی محکم تعلیمات کا مستند اور قابل اعتماد مجموعہ اب آپ ﷺ ہی کی تعلیم اور آپ ﷺ ہی کی لائی ہوئی کتاب مبین ہے، اس لئے آپ کا اتباع اللہ کے سارے پیغمبروں کا اتباع ہے اور آپ کا انکار سارے نبیوں ورسولوں کا انکار ہے۔ پھر قرآن یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ ہماری طرف سے جو جامع ہدایت و تعلیم لے کر آپ آئے ہیں، ایسی کامل و مکمل ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اب یہی کافی ووافی ہے اور ہر قسم کی تحریف وملاوٹ کے اندیشے سے اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہم نے کر دیا گیا ہے اور اسی لئے نبوت ورسالت کے اس سلسلہ کو جو ابتداءِ دنیا سے چلا آرہا تھا اب رسالت محمدی ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے اور یہ نبی عربی (ﷺ) نبی کامل ہونے کے ساتھ اس مقدس سلسلہ کے خاتم بھی ہیں۔ یہ ہے نبوت ورسالت کے بارے میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور حاصل۔ اب اسکے تمام اجزا اور عناصر کو قرآن مجید کی آیات میں پڑھئے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (النحل: ۳۶)

ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں ہر قوم میں رسول۔

اور سورۂ نساء میں اگلے زمانوں کے چند خاص خاص رسولوں کا نام بنام تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا:

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (النساء: ۱۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے انسانوں کی طرف اور بھی بہت سے اور رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ کو پہلے بتایا ہے اور بہت سے وہ رسول بھی جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

اور اسی رکوع میں چند آیتوں کے بعد ارشاد فرمایا:

فَامِنُوا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ

ترجمہ: پس تم اللہ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

جو لوگ بلا تفریق اللہ اور اسکے سب رسولوں کو نہ مانیں بلکہ ان میں تفریق کریں مثلاً اس طرح کہ خدا پر ایمان لانے کا تو اقرار اور دعویٰ کریں اور اسکے رسولوں کے منکر ہوں، یا بعض رسولوں کو مانیں اور بعض کا انکار کریں تو قرآن کہتا ہے کہ ان کا یہ جزوی اقرار اور ایمان قطعًا معتبر نہیں بلکہ جب تک یہ سب کو نہ مانیں اس وقت تک کافر ہیں۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۵۰ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۵۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء: ۵۰ تا ۵۲)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اسکے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ (بعض کو مان کے اور بعض کا انکار کر کے) اللہ اور اسکے رسولوں میں تفریق کریں اور (اسی بنا پر) وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ (اپنے اس طرز عمل سے) ایمان اور کفر کے درمیان کی ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں (کہ نہ سب پر ایمان ہو اور نہ سب کا انکار ہو) تو ایسے لوگ قطعًا و یقینًا کافر ہیں اور ہم نے ایسے کافروں کیلئے سخت رسوا کن عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ اللہ کو اور اسکے سب رسولوں کو مانتے ہیں اور ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (وہی سچے مومن ہیں) ان کو اللہ پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ جتنے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے، جب بھی آئے اور جس ملک اور جس قوم میں بھی آئے، سب واجب الاطاعت تھے اور انکے حکموں پر چلنا ان لوگوں پر فرض تھا جنکی طرف وہ بھیجے گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ (النساء: ۶۴)

ترجمہ: اور جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجے، اسی لئے بھیجے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔

دوسری جگہ فرمایا کہ نبی ورسول کی اطاعت دراصل خدا کی ہی اطاعت ہے، کیونکہ انبیاء ورسل جو احکام دیتے ہیں، وہ ان کے اپنے احکام نہیں ہوتے، بلکہ خدا کے احکام ہوتے ہیں، جن کو وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰)

ترجمہ: جس نے خدا کے رسول کی فرمانبرداری کی، اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

اور جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، اسی طرح رسول کی نافرمانی اور مخالفت دراصل خدا کی نافرمانی اور اسکے خلاف بغاوت ہے، اسی لئے قرآن مجید میں جابجا ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرکے اس کی سخت سزا اور پاداش سے ڈرایا گیا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الانفال: ۱۳)

ترجمہ: اور جس نے مخالفت کی اللہ کی اور اسکے رسول کی تو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

اور سورۂ طلاق میں فرمایا گیا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (الطلاق: ۸ تا ۱۰)

ترجمہ: اور بہت سی بستیاں تھیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسول سے سرتابی کی تو ہم نے ان کا بڑا سخت محاسبہ کیا اور ان کو ہم نے عذاب کی سزا دی، غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کے اعمال کا انجام خسارہ اور ٹوٹا ہی رہا۔ (یہ تو دنیا میں ان کے ساتھ ہو چکا اور آخرت کا) سخت ترین عذاب اللہ نے ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے پس اے عقل وخرد والو! اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرو۔

یہ تو پورے سلسلۂ نبوت کو ماننے اور سب نبیوں و رسولوں پر ایمان لانے کے بارے میں

قرآن مجید کا اصولی مطالبہ اور اس کے متعلق انتباہات تھے، پھر خاص اس دور کیلئے سیدنا حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور اس کی خاص نوعیت کا اعلان کرتے ہوئے سورۂ فتح میں فرمایا گیا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ (الفتح: ۲۸ تا ۲۹)

ترجمہ: وہی اللہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو کامل ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ وہ اس کو سب دینوں کے اوپر کردے اور اللہ اس حقیقت کا کافی گواہ ہے۔ (چشم بینا رکھنے والوں کیلئے اس کی یہ گواہی ظاہر باہر ہے، الغرض اب) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اور سورہ مائدہ میں حضرت موسیٰ وعیسیٰ کی نبوت ورسالت اور توریت وانجیل کی تنزیل کا ذکر فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب (قرآن مجید) کی خصوصیت اور اس کی امتیازی نوعیت کو اس طرح فرمایا گیا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ (المائدہ: ۴۸)

ترجمہ: اور اب ہم نے اپنی یہ کتاب آپ کی طرف حقانیت اور سچائی کے ساتھ اتاری ہے، جو ہماری پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگران اور محافظ بھی ہے (یعنی پہلے نازل ہونے والے سب آسمانی کتابوں کی محکم تعلیم اور ان کا جوہر اس میں شامل کرکے ہمیشہ کیلئے محفوظ کردیا گیا ہے، گویا اگلے پیغمبروں کی محکم تعلیم کی اصل کاپی بھی اب یہی الکتاب (قرآن) ہے)۔

اور سورۂ اعراف میں خود رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ پوری انسانی دنیا کو پیغام دیں:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: کہو کہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں، وہ خدا جسکی بادشاہی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اسکے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں،

وہی سب کو زندگی اور موت دیتا ہے، پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی اُمی پر جو خود بھی اللہ پر اور اسکے کلاموں پر (یعنی اسکی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر) ایمان رکھتا ہے اور تم اسکی پیروی اختیار کرو، تاکہ تم اللہ کی ہدایت حاصل کر سکو، (جواب صرف اس نبی اُمی کی پیروی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔)

اور سورۂ سبا میں خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ پوری انسانی دنیا کی رہنمائی اور زندگی کے اچھے برے انجام سے انکو خبر دار کرنا آپ ﷺ ہی کے ذمہ ہے اور ہم نے اسی واسطے آپ کو بھیجا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ۲۸)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام نسل انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے (اور اب آپ ہی سے یہ کام لیا جاتا ہے۔)

اور سورۂ آل عمر آن میں آپ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں کو سنا دیجئے اور بتا دیجئے کہ اب اس دور میں جو بھی خدا کا طالب ہو اور اسکی بخشش اور محبت سے حصہ لینا چاہتا ہو اس کے لئے اللہ کی بخشش اور محبت حاصل کر سکنے کی راہ صرف یہی ہے کہ وہ میری پیروی کرے یعنی اس شریعت اور اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرے، جو اللہ تعالیٰ نے اس دور کیلئے مقرر فرمایا ہے اور میرے ذریعے بھیجا ہے، اب جو بھی اس صراط مستقیم سے ہٹ کر چلے گا، وہ خدا کا

مجرم اور نافرمان سمجھا جائے گا اور اللہ کی محبت و عنایت اور نجات سے محروم رہے گا

ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۳۱ تا ۳۲)

ترجمہ: آپ اعلان کر دیجئے کہ (اے خدا طلبی کے مدعیو!) اگر تم فی الحقیقت خدا کو چاہتے ہو تو (اب اسکی راہ یہی ہے کہ) میری پیروی اختیار کرو اور میرے بتلائے ہوئے راستے پر

چلو!(اگر تم ایسا کروگے) تو اللہ کا پیار تم کو نصیب ہو گا اور وہ تمہارے گناہ و قصور بخشش دے گا، وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ آپ صاف صاف (ان سے) کہہ دیجئے (کہ راستہ صرف یہی ہے کہ) اللہ کی اور پیغمبر وقت کی (یعنی میری) فرمانبرداری کرو۔ پس اگر وہ اسکو نہ مانیں تو (پھر سنو اللہ اور قانونِ خداوندی یہ ہے کہ) منکروں اور نہ ماننے والوں سے اللہ محبت نہیں کرتا اور ان کو نہیں چاہتا۔

اور سورۂ احزاب میں اعلان فرمایا گیا کہ سلسلہ ءِ نبوت آپ ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں، اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا جائے گا، جس کا بدیہی نتیجہ اور تقاضا یہی ہے کہ بعثت محمدی کے بعد اس دنیا میں پیدا ہونے والے سارے انسانوں کیلئے اب آپ ہی کی ہدایت و تعلیم حکم نامۂ خداوندی ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: (محمد ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے خاتم بھی ہیں۔ (اب ان کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا) اور اللہ سب چیزوں کا علم رکھتا ہے۔

ان آیات میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت و رسالت، اس کی عمومیت اور آپ کی خاتمیت کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، دنیا کے واقعات نے بھی اسکی پوری پوری تصدیق اور توثیق کی ہے۔

اس دنیا میں حضرت ابراہیمؑ و اسحقؑ، وداؤدؑ و سلیمانؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور انکے علاوہ بھی کسی ملک اور کسی قوم میں آنے والے کسی ہادی اور مصلح کو جن اوصاف و خصوصیات اور جس قسم کے شواہد و دلائل کی وجہ سے خدا کا پیغمبر مانا گیا ہے، واقعات کی یہ دنیا گواہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی برگزیدہ ہستی ان تمام اوصاف و کمالات کی جامع اور ان سب شواہد و دلائل کی حامل تھی اور یہ حقیقت اتنی روشن ہے کہ چودہ صدی گزرنے کے بعد آج بھی جس میں سچی طلب اور انصاف ہو، وہ اس بارے میں غور و فکر کر کے پورا اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔

اسی طرح جو ہدایت و تعلیم آپ ﷺ لے کر آئے، جو بلا شک و شبہ جوں کی توں محفوظ ہے، وہ اپنی کمالِ جامعیت و اعتدال کی وجہ سے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پوری انسانی دنیا کے لئے ہے اور تمام اقوام عالم کے لئے یہی خدا کا مقرر کیا ہوا ضابطۂ حیات اور دستور زندگی ہے۔

پھر تیرہ صدی سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے باوجود دنیا کے کسی حصہ سے بھی کسی ایسی ہستی کا نہ اٹھنا جس کو خدا کا نبی ورسول مانا جاسکے اور اس دور میں دنیا کی ارتقائی رفتار کے تیز سے تیز ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کا انسانوں کی دینی وروحانی ہدایت کیلئے اسی طرح کافی ہونا جس طرح کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل کے انسانوں کی ہدایت کیلئے وہ کافی تھی، اس حقیقت کا نہایت ہی روشن واقعاتی ثبوت ہے کہ انسانوں کے پیدا کرنے والے اور نبیوں ورسولوں کو بھیجنے والے خالق ومالک نے سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کردیا ہے اور اب آپ ﷺ ہی کا دور دورہ ہے اور آپ ﷺ ہی کی تعلیم وہدایت تمام اقوام عالم کے لئے خدائی تعلیم وہدایت ہے اور آپ ہی کی پیروی سے اب خدا کی رضا اور رحمت کو پایا جاسکتا ہے۔ اللہ کے جن بندوں نے ابھی تک ان کھلی حقیقتوں پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے، کاش! وہ صاف ذہن اور نیک نیتی کے ساتھ غور کریں اور اس دور کی خدائی تعلیم وہدایت کو اپنا کر خدا کے ساتھ بندگی کے اپنے تعلق کو صحیح کریں۔

نبی کی حیثیت اور مقام نبوت

قرآن مجید جس طرح انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اوران کی اطاعت وپیروی کرنے کی دعوت دیتاہے، اسی طرح وہ اس پر بھی زور دیتاہے کہ ان کی حیثیت ومقام اورانکے کام کو صحیح طور پر جاناجائے اور ان کے بارے میں افراط و تفریط سے بچاجائے۔

تفریط اور بے ادبی کی گمراہی

انبیاء علیہم السلام کی شان میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی یہ ہے کہ انکی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار اورانکی تکذیب کی جائی اور جو ہدایت و تعلیم اور جو احکام وہ خدا کی طرف سے لاتے ہیں، انکو تسلیم ہی نہ کیاجائے۔ قرآن کہتاہے کہ یہ بھی اسی طرح کفر ہے جس طرح کہ خدا کا انکار کفر ہے اور خدا کے منکرین کی طرح اس جرم کے مجرمین بھی اللہ کی مغفرت اور بخشش سے قطعی محروم رہنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید کا اعلان:

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا (النساء:۱۵۱)

پہلے گذر چکاہے کہ جس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے لوگ قطعی کافر ہیں اور جہنم کا اہانت آمیز عذاب ان کیلئے تیار ہے اور سورہ اعراف میں ذکر کیا گیاہے کہ حضرت آدمؑ وحواؑ کے اس دنیا میں آنے کے بعد جب انسانی تاریخ کا یہاں آغاز ہوا تو اس وقت پوری نسل آدمؑ کے لئے چند اصولی اور بنیادی ہدایتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ:

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِى ۙ فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ وَٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا وَٱسْتَكْبَرُوا۟ عَنْهَآ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ (الاعراف: ۳۵تا۳۶)

ترجمہ: اے اولاد آدمؑ! اگر تمہارے پاس ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر آویں جو تم ہی میں سے ہوں گے اور تم کو میرے احکام بتائیں تو جو لوگ (ان کی ہدایت کو قبول کر کے) پرہیز گاری اختیار کریں گے اور اپنے احوال واعمال کو درست کرلیں گے تو ان کو کوئی اندیشہ نہ ہو گا اور نہ غمگین ہونگے اور جو لوگ انکار واستکبار کی راہ اختیار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے اور ازراہ تکبر ان کو قبول نہیں کریں گے، وہ دوزخ والے ہونگے، اور ہمیشہ دوزخ ہی میں پڑے رہیں گے۔

اور چند ہی آیات کے بعد انبیاء علیہم السلام اور انکی لائی ہوئی تعلیم کے ان ہی مکذبین ومنکرین کے بارے میں پھر فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ ؕ (الاعراف: ۴۰)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ازراہ تکبر انکے ماننے سے انکار کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ کبھی ہر گز جنت میں نہ جاسکیں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔ (مطلب یہ ہے کہ جس طرح سوئی کے ناک میں سے اونٹ کا گذرنا ناممکن ہے، اسی طرح اللہ کی آیات کے مکذبین ومنکرین کا جنت میں جانا بھی ناممکن ہے)

اور ان کے برخلاف جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایت وتعلیم کی پیروی کر کے نیک عمل کی زندگی گذاریں، ان کے متعلق اس آیت کے بعد متصلاً فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَاۤ ۫ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ (الاعراف: ۴۲)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (یعنی علم وعمل میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم وہدایت کی پیروی کریں اور یہ کوئی ناممکن یا بہت مشکل نہیں، کیونکہ) ہم کسی کو اسکے امکان اور اسکی طاقت ووسعت کے سوا مکلف نہیں کرتے۔ تو وہ جنتی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے کے طفیل جب یہ

بندگانِ خدا جنت میں پہنچ جائیں گے تو انکی زبان پر اللہ کی حمد وثنا اور پیغمبروں کے اعتراف وشکریہ کا یہ نغمہ ہوگا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ (الاعراف: ۴۳)

ترجمہ: اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے اس مقام تک پہنچایا اور اگر وہ نہ پہنچاتا تو یہاں تک ہماری ہرگز رسائی نہیں ہوسکتی، بیشک ہمارے اللہ کے پیغمبروں کی تعلیم ودعوت بالکل حق تھی اور انہوں نے جو کچھ ہم کو بتایا، سب سچ تھا۔

الغرض قرآن مجید نے ان آیات میں بتلایا کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور انکی تعلیم کا انکار، اللہ کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے اور جس طرح انکار خدا کی سزا جہنم کا ابدی عذاب ہے، اسی طرح پیغمبر کی تکذیب کی سزا بھی اللہ نے یہی مقرر کی ہے، ایسے لوگ کبھی جنت کی ہوا بھی نہ پاسکیں گے۔ جنت صرف ان ہی کیلئے ہے جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور انکی تعلیم وہدایت کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سنواریں۔۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسی فیصلہ کا اعلان ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ (الانعام: ۴۸ تا ۴۹)

ترجمہ: ہم پیغمبروں کو صرف اسی لئے بھیجتے ہیں کہ وہ ثواب کی خوشخبری سنائیں اور عذاب سے ڈرائیں۔ پس جو لوگ انکی دعوت کو قبول کرکے ایمان لائیں اور انکی تعلیم وہدایت کے مطابق اپنے کو درست کرلیں تو ان کو کوئی اندیشہ اور کوئی غم نہیں، اسکے برخلاف جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کریں گے، وہ اپنی بدکاری اور نافرمانی کی وجہ سے ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس اعلان اور انتباہ کے علاوہ قرآن مجید اپنے مخاطبین کو یہ بھی بتلاتا ہے کہ پچھلے زمانوں میں جن قوموں اور قوموں کے جن سرداروں نے اللہ کے پیغمبروں کی مخالفت اور تکذیب کی، ان کو کبھی معاف نہیں کیا گیا۔ چنانچہ سورۂ ص میں قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب اور فرعون کا نام بنام ذکر کرکے ان کے جرم اور اس کی سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ (ص: ۱۴)

ترجمہ: ان سب نے یہی کیا کہ میرے پیغمبروں کی تکذیب اوران کا انکار کیا، اس لئے میرا عذاب ان پر واقع ہوا۔

اسی طرح سورۂ الحاقہ میں فرعون اور اس سے پہلے کے بعض منکرینِ انبیاء کے متعلق فرمایا گیا:

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (الحاقہ: ۱۰)

ترجمہ: انہوں نے کہنا نہ مانا اپنے رب کے رسول کا، تو اللہ نے لے لیا ان کو سخت گرفت میں۔

الغرض پیغمبروں کے حق میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی ان کی تکذیب اوران کی اطاعت سے انکار ہے اور قرآن مجید نے جابجا واضح کر دیا ہے کہ یہ قطعی کفر اور ناقابل معافی جرم ہے۔

پھر اس سے کم درجہ کی تفریط اور ناقدر شناسی یہ ہے کہ انکے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کی جائے، قرآن مجید بتلاتا ہے کہ یہ بھی ایسا جرم ہے کہ اسکے کرنے والوں کو اللہ کے دردناک عذاب اور اسکی سخت پکڑ سے ڈرنا چاہئے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور: ۶۳)

ترجمہ: جو لوگ رسولِ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ کوئی آفت ان پر آن پڑے یا دردناک عذاب ان پر نازل ہو جائے۔

اسی لئے قرآن مجید میں جابجا اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بھی ویسے ہی زور کے ساتھ دیا گیا ہے، بہت سے مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ

"اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔"

کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہدایت، رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہی وابستہ ہے، چنانچہ سورہ نور میں اللہ کی اطاعت کے بعد رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دینے کے بعد فرمایا گیا:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (النور: ۵۴)

ترجمہ: اگر تم رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

گویا اس آیت میں قرآن مجید نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ رسول کی اطاعت و پیروی نہ کریں گے، وہی اللہ کی ہدایت سے محروم اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے رہیں گے۔ ایک دوسرے موقع پر اس حقیقت کا اعلان قرآن مجید نے ان الفاظ میں بھی فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (النور: ۳۶)

ترجمہ: اور جو نافرمانی کریں اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بڑی کھلی گمراہی میں جا پڑے۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی بے چوں وچرا اطاعت اور انکے ہر حکم اور فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرنا، ایمان کے شرائط میں سے ہے، جس کا یہ حال نہ ہو، اس کو ایمان کا مقام ہرگز حاصل نہیں. سورہ نساء میں ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء: ۶۵)

ترجمہ: (اے ہمارے پیغمبر ﷺ!) قسم تمہارے پروردگار کی کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے (اور ایمان کے مقام پر نہیں پہنچ سکتے) جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ حکم بنائیں تم کو اپنے نزاعی معاملات میں پھر (جب تم اپنا فیصلہ دے دو تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ سے اور تسلیم کرلیں اس کو پوری طرح مان کر۔

اور سورۂ حشر میں تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر تمہارے حق میں جو مثبت یا منفی فیصلہ کریں اور جو حکم دیں، اس کو مانو اور بجالاؤ، اگر اسکے خلاف راستہ اختیار کیا گیا تو یاد رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر: ۷)

ترجمہ: ہمارے رسول جو تم کو دیں، اس کو لے لو اور جن سے منع کریں، اس سے رک جاؤ اور اس بارے میں اللہ (کی پکڑ) سے ڈرو، اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

اور سورۂ احزاب میں پیغمبر کا حق اور مرتبہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنے اوپر جتنا حق اور جتنا

اختیار اپنی ذات کا ہوتا ہے، اس سے زیادہ حق اور اختیار ایمان والوں پر پیغمبر کا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اللہ کے پیغمبر کسی کو ایسا حکم دیں جس میں اسکی جان جاتی ہو تو اس کا فرض ہے کہ بے دریغ جان دے کر اس حکم کی تعمیل کرے۔ ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ (الاحزاب: ۶)

ترجمہ: پیغمبر کا زیادہ حق ہے اہل ایمان پر خود انکی ذاتوں سے اور پیغمبر کی بیویاں کل اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

اصلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق اور مالک ہے، اسکو ہم پر ہر طرح کا حق اور اختیار ہے، یہاں تک کہ جن تصرفات اور جن فیصلوں کا اپنی جان اور اپنی ذات کے بارے میں خود ہم کو بھی حق نہیں، اللہ کو ان تمام تصرفات اور فیصلوں کا بھی حق ہے اور پیغمبر اس دنیا میں چونکہ اسکے نائب اور نمائندہ ہیں اور وہ ہی اللہ کے احکام لانے والے اور ان کے نافذ کرنے والے ہیں، اس لئے عملاً ضروی ہے کہ ان کا حق واختیار بھی ایسا ہی مانا جائے۔ آگے فرمایا کہ: "انکی بیویاں تمام اہل ایمان کی ماؤں کی جگہ ہیں"۔ اس لئے ان کا ادب واحترام اپنی ماؤں کی طرح کیا جائے۔

قرآن مجید انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور انکے احکام کی اطاعت کرنے اور ان کا حق اور مرتبہ پہچاننے پر زور دینے کے علاوہ اسکی بھی تاکید کرتا ہے کہ انکے حضور میں بلند آواز سے اور بیباکی سے بولا بھی نہ جائے، بلکہ جب کسی کو انکے سامنے کچھ عرض کرنا ہو تو پورے ادب سے اور دبی آواز سے عرض کیا جائے۔ قرآن مجید آگاہی دیتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوتاہی ہوئی تو تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جانے کا خطرہ ہے۔ سورہ حجرات میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۲ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ (الحجرات: ۲تا۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور اس طرح کھل کر بھی بات نہ کیا کرو جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر باتیں کرتے ہو، مبادا تمہارے سارے اعمال (ادب کی اس کوتاہی سے) اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور میں اپنی آوازیں نیچی کر کے باتیں

کرتے ہیں، وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر لیا ہے، ان کیلئے ہی اللہ کی بخشش اور بڑا اجر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تفریط وناقدر شناسی اور بے ادبی کی گمراہی سے بچانے کیلئے تو قرآن مجید نے یہ ہدایات دیں (جو مذکور ہوئیں)۔ اب اسکے بعد وہ ہدایات بھی سنئے جو افراط اور غلو کے فتنہ سے بچانے کے لئے قرآن مجید نے دی ہیں۔

افراط اور غلو کا فتنہ

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جس غلو اور افراط میں بہت سی قومیں مبتلا ہوئی ہیں، وہ یہ ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ نبی انسان نہیں ہو سکتا، بلکہ اسکو انسانوں سے بالا تر کسی جنس سے ہونا چاہئے اور انسانی ضرورتیں اور انسانیت کے لوازم بھی نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ بہت سی قوموں نے اسی گمراہی کی بنا پر اپنے زمانہ کے پیغمبروں کا انکار کیا۔ قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام کا انکار کرتے ہوئے انکی قوم نے کہا تھا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنون: ۳۳)

ترجمہ: یہ تمہاری طرح کے ایک انسان ہیں (پھر یہ خدا کے رسول کیسے ہو سکتے ہیں؟)

اور نوح علیہ السلام کے بعد جب دنیا میں پھر گمراہی پھیلی اور اللہ نے اپنے ایک اور نبی کو بھیجا تو انکی قوم نے بھی یہی کہہ کے ان کا انکار کیا کہ:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (المومنون: ۳۳)

ترجمہ: یہ تمہاری طرح ایک انسان ہیں، جو تم کھاتے ہو وہی چیزیں یہ بھی کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتے ہیں (پھر بھلا یہ کس طرح رسول ہو سکتے ہیں؟)

اور سورۂ تغابن میں زمانۂ قدیم کی منکر قوموں کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے کہ انکے کفر وانکار کا باعث یہی ہوا کہ یہ بات تسلیم کرنے کیلئے وہ تیار نہیں ہوئیں کہ انسان بھی نبی ہو سکتا ہے۔ ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا

وَتَوَلَّوْا (التغابن: ٦)

ترجمہ: ان کے اس کفر کا سبب یہی ہوا کہ انکے پاس انکے پیغمبر روشن دلائل اور واضح احکام لے کر آئے، تو ان کمبختوں نے کہا کیا انسان ہم کو ہدایت دیں گے؟ پس (اسی بنیاد پر) انہوں نے ان رسولوں کا انکار کر دیا، ان سے روگردانی اختیار کی۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴)

ترجمہ: جب لوگوں کے پاس ہماری ہدایت پہنچی تو ایمان لانے سے ان کو صرف یہی چیز مانع ہوئی کہ انہوں نے کہا کیا آدمی کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (یہ بات تو ہم نہیں مان سکتے)

اور خود قرآن کے لانے والے خدا کے آخری رسول ﷺ کے بارے میں ان کے منکروں نے کہا کہ:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ (الفرقان:۷)

ترجمہ: یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے ہیں اور (اپنے کاموں سے) بازاروں میں بھی جاتے ہیں؟

مطلب یہی تھا کہ خدا کا رسول تو وہی ہو سکتا ہے جو ان انسانی لوازم و خصوصیات سے مبرا اور بالاتر ہو۔ الغرض پیغمبروں کے بارے میں بہت سی قومیں اسی گمراہی میں مبتلا رہی ہیں کہ وہ انسان نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو کسی بالاتر جنس سے ہونا چاہئے اور انسانی عادات و خصوصیات بھی ان میں بالکل نہ ہونی چاہئیں۔ مگر قرآن مجید نے اس گمراہی کی پوری صراحت وصفائی سے بیخ کنی کی ہے، رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف: ۱۰۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، ہم ان ہی کی طرف اپنے احکام کی وحی کرتے تھے۔

اور سورۂ فرقان میں فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط (الفرقان: ۲۰)

ترجمہ: اور آپ سے پہلے جتنے رسول بھی ہم نے بھیجے، وہ سب کھانا کھاتے تھے اور (اپنی ضرورتوں سے) بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

اور خود رسول اللہ ﷺ کو بار بار حکم دیا گیا کہ اپنے بارے میں صاف صاف ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (حٰم سجدہ:۶)

ترجمہ: میں تو بس تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں۔

اور پیغمبروں کے بارے میں غلو اور افراط ہی کے سلسلہ کی ایک گمراہی یہ تھی کہ ان کیلئے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ساری کائنات پر ان کا تصرف اور اختیار ہو اور وہ سب کچھ کر سکتے ہوں، اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے منکرین نے آپ سے کہا تھا، قرآن کا بیان ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ط وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ط (بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳)

ترجمہ: یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہم ہرگز تم پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ تم ایسے خارق عادت کام کر کے نہ دکھادو۔ (مثلاً یہ کہ) تم حکم کرو اور زمین سے چشمہ پھوٹ نکلے، یا تمہارے لئے کھجور اور انگور کا ایک باغ لگ جائے اور پھر تم اس میں پانی کی بہت سی نہریں جاری کر کے دکھاؤ، یا جیسے کہ تم کہا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ہم پر گراؤ، یا اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ، یا تمہارے لئے ایک سونے کا گھر بن جائے، یا تم پرواز کرتے ہوئے آسمان میں چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے اس چڑھ جانے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تم آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہمارے پاس اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔

مگر قرآن مجید میں ان سب مطالبوں کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۳)

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ سبحان اللہ! (میں کوئی خدا ہوں!) میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک آدمی ہوں خدا کا پیغام پہنچانے والا۔

اس مختصر آسمانی جواب کا مطلب یہی ہے کہ اے منکرو! تمہاری یہ بنیادی غلطی ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ نبی ورسول وہ ہوتا ہے جس کے اختیار اور قبضہ میں سب کچھ ہو اور زمین وآسمان پر اس کا "کن فیکون" تصرف ہو، حالانکہ یہ شان خدا کی ہے، بیشک وہ کسی چیز سے عاجز نہیں، اس کی قدرت میں سب کچھ ہے۔ لیکن میری حیثیت تو صرف یہ ہے کہ میں تم میں کا اور تمہاری جنس کا ایک انسان ہوں، جس کو اللہ نے رسالت وپیغمبر کا کام اور منصب عطا فرمادیا ہے، میں اس سے زیادہ کسی چیز کا مدعی نہیں۔

اسی طرح سورۂ عنکبوت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منکرین نے آپ سے کہا کہ جو معجزے اور جو نشانیاں ہم چاہتے ہیں، وہ آپ کیوں نہیں دکھاتے؟ تو اس کا جواب بھی آپ سے یہی دلوایا گیا کہ:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (العنکبوت: ۵۰)

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ معجزے اور نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں (ان پر میرا اختیار نہیں)۔ میں تو بس صاف صاف آگاہی دینے والا اور ہوشیار کرنے والا اللہ کا پیغمبر ہوں۔

اور اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کے لئے ایک دوسری جگہ آپ کو حکم دیا گیا کہ:

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ (الانعام: ۵۰)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں اور نہ (میں یہ کہتا ہوں کہ) مجھے علم غیب ہے اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ (میرا حال تو یہ ہے کہ) جو وحی اللہ کی طرف سے مجھ پر کی جاتی ہے اور جو حکم مجھے دیا جاتا ہے، میں تو بس اس کا اتباع کرتا ہوں۔

اور اسی مقصد کے لئے آپ ﷺ سے اعلان کرایا گیا:

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (الجن: ۲۱ تا ۲۲)

ترجمہ: آپ صاف کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں نہیں مالک ہوں تمہارے نقصان کا اور نہ تمہاری بھلائی کا (یعنی تمہارا بناؤ بگاڑ میرے اختیار میں نہیں، بلکہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے) آپ کہہ دیجئے (کہ خود میرا معاملہ یہ ہے) کہ مجھے بھی نہیں بچا سکتا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور، میں نہیں پا سکتا اس کے سوا کوئی جائے پناہ اور کوئی ٹھکانا۔

اور سورۂ اعراف میں فرمایا گیا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۭ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الاعراف: ۱۸۸)

ترجمہ: آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک و مختار نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے۔ (سب کچھ اسی کی مشیت اور اسی کے فیصلہ پر موقوف ہے) اور اگر میں غیب کی بات جان لیا کرتا تو بہت کچھ منافع حاصل کر لیتا اور کبھی کوئی ناگواری اور خلاف مرضی بات مجھے پیش نہ آتی، میں بس انجام کے خطرہ سے ہوشیار کرنے والا اور انعاماتِ الٰہیہ کی خوشخبری سنانے والا ہوں ایمان و یقین والوں کو۔

ان سب آیتوں میں اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کی گئی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بہت سی قوموں اور اُمتوں میں مختلف زمانوں میں رہا ہے اور آج بھی موجود ہے، حتیٰ کہ خود قرآن کے ماننے والے بہت سے مسلمان جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں پر رسول کا پورا پورا اختیار اور تصرف ہونا چاہئے اور انکو علم غیب بھی ہونا چاہئے اور دین و دنیا اور آخرت کے بارے میں ان کو مختار مطلق ہونا چاہئے، حالانکہ معلوم ہو چکا کہ قرآن مجید نے ان تمام گمراہانہ خیالات و خرافات کی پوری صراحت اور صفائی سے تردید کی ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ چند آیتیں اور بھی پڑھ لیجئے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الاحقاف:۹)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا نرالا نہیں ہوں رسولوں میں سے۔ (جس طرح مجھ سے پہلے اللہ کے بہت سے رسول آئے اسی طرح میں بھی اس کا ایک رسول ہوں) اور (میرا حال یہ ہے کہ) جو کچھ مستقبل میں میرے ساتھ پیش آئے گا اور جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا، میں اس کو جانتا بھی نہیں، میں تو بس اس کی پیروی کرتا ہوں جو اللہ کی

طرف سے بذیعہ وحی مجھے بتلایا جاتا ہے اور میں تو بس صاف صاف آگاہی دینے والا ہوں

۔

اور سورۂ یونس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے کافر و منکر جب آپ کی زبان سے قرآن مجید سنتے تھے (جس کی تعلیم ان کے کافرانہ و مشرکانہ خیالات واعمال کے خلاف تھی) تو کہتے تھے کہ قرآن کو تو ہم نہیں مان سکتے، لہٰذا یا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس کی تعلیم اور اس کے مضامین کو بدل دو اس کے جواب میں آپ کو حکم دیا گیا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآيِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (یونس: ۱۵)

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھے بالکل یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی ردو بدل کر سکوں، میں خود انہی احکام کی تابعداری کرتا ہوں جو کہ خدا کی طرف سے میری طرف وحی کئے جاتے ہیں، اگر میں اپنے اس مالک کے حکم کی خلاف ورزی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا مجھے بھی ڈر ہے۔

الغرض پیغمبروں کے بارے میں غلو اور افراط کے سلسلہ کی جن جن گمراہیوں میں لوگ کبھی مبتلا ہوئے ہیں یا مبتلا ہونے کے زیادہ امکانات اور خطرات ہیں، قرآن مجید نے ان سب ہی کی پوری پوری بیخ کنی اور آئندہ کیلئے ناکہ بندی کر دی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی جو واقعی حیثیت اور ان کا جو حقیقی مقام ہے، اسکو اس طرح واضح اور متعین کر دیا ہے کہ قرآن کو سمجھنے اور ماننے والوں کیلئے کسی غلط فہمی اور گمراہی کی گنجائش قطعاً نہیں رہی ہے۔

خداوندی ہدایت کی اطاعت و پیروی

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خدا کی خدائی کو جان لینے اور بندوں کی ہدایت کے لئے اس کے قائم کئے ہوئے سلسلۂ رسالت کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کے بعد خود بخود بندے کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ اصولی فیصلہ کر لے کہ اس دنیا میں مجھے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی نازل کی ہوئی ہدایت کا مطیع اور تابع رہ کر ہی زندگی گزارنا ہے، لیکن قرآن مجید صرف اس لزوم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ مستقل طور سے بھی اس کی دعوت دیتا ہے اور پوری تاکید کے ساتھ جابجا اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ انسانوں کو چاہیے کہ وہ خدا کی ہدایت اور اس کے احکام (جو پیغمبر وقت کے ذریعے اس کی طرف سے آئیں ان) کی پیروی کو زندگی کا اصول بنائیں، نجات و فلاح کی یہی راہ ہے اور اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت کا راستہ ہے۔

سورۂ انعام میں فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام ۷۱)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ میرے بندوں کو بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہدایت ہی زندگی کی صحیح راہ ہے اور ہم سب کو حکم ہے کہ پروردگار عالم کی حکم برداری کریں۔

اور سورۂ اعراف کے بالکل شروع میں فرمایا گیا:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (الاعراف ۳)

ترجمہ: اس ہدایت کی پیروی کرو جو اتاری گئی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور اس کے سوا اور آقاؤں کی پیروی نہ کرو (کیونکہ حقیقی آقا اور رب صرف وہی ہے۔)

اور سورۂ زمر میں ارشاد ہوا:

وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الزمر: ۵۴ تا ۵۵)

ترجمہ: اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اس کی حکم برداری کرو قبل اسکے کہ آ

جائے تم پر اس کا عذاب اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے اور اتباع کرو اس بہترین ہدا یت کا جو اتاری گئی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے قبل اس کے کہ آجائے تم پر اچانک عذاب اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ تو خداوندی ہدایت کے اتباع کی تاکید تھی نیز قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ "اطیعوااللہ واطیعوا الرسول" یا اس کے ہم معنی الفاظ میں بھی جابجا اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اب ماننے والوں کا انجام بھی قرآن ہی کی زبان سے سنئے!

سورۂ فتح میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا (الفتح ۱۷)

جو لوگ حکم برداری کریں گے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اور چلیں گے ان کی ہدایت، پر ان کو پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اُن بہشتی باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو نہ مانیں گے اور حق کی اس راہ سے مڑ کر چلیں گے، ان کو اللہ تعالیٰ اس جرم کی در دناک سزا دے گا۔

اور دوسری جگہ ماننے والوں کے متعلق سورۂ احزاب میں فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب ۷۱)

اور جو لوگ تابعداری کریں اللہ اور اس کے رسول کی تو انہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اور سورۂ نساء میں اس بڑی کامیابی (فوز عظیم) کی تفسیر و تشریح اس طرح فرمائی گئی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (النسآء: ۶۹ تا ۷۰)

ترجمہ: اور جو بندے فرمانبرداری کریں اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ اللہ کے ان خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اس کا خصوصی انعام ہے، یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین اور کیا اچھے ہیں یہ رفیق! یہ ان پر فضل ہو گا اللہ کی طرف سے، اللہ کافی ہے جاننے والا۔

اور ان ہی خوش نصیب بندوں کے متعلق جنہوں نے ہر طرف سے رخ موڑ کے اور دنیا کے

سارے طریقوں کو چھوڑ کے اللہ کی ہدایت کی پیروی ہی کو اپنا اصول زندگی بنالیا ہے، سورۂ مؤمن میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے وہ خاص خاص مقرب فرشتے (حاملین عرش ومن حولہ) جنہیں بارگاہ خداوندی میں ہمہ وقت حاضری نصیب رہتی ہے، وہ اللہ کی حمد و تسبیح کے ساتھ ان بندگان خدا کے لئے بلکہ ان کے طفیل میں ان کے آباء واجداد، بیوی بچوں کے لئے بھی ہر دم دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ان کی اس دعاء کے الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں پڑھئے اور بار بار پڑھئے!!

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (المؤمن: ۷ تا ۹)

ترجمہ: اے پروردگار! تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز کو محیط ہے پس تو اپنے ان بندوں کی مغفرت فرمادے جو تیری طرف رجوع ہوئے اور انہوں نے تیری ہدایت کی پیروی کی اور تیری بتائی ہوئی راہ پر چلے اور دوزخ کے عذاب سے ان کو بچالے! اے پروردگار! اور ان غیر فانی جنتوں میں ان کو پہنچادے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے ماں باپ اور ان کے بیوی بچوں میں سے جو بھی اچھے ہیں ان کو بھی ان کے ساتھ جنت میں رکھا تو زبردست حکمت والا ہے۔ اور تکلیفوں اور برائیوں سے ان کو بچا اور قیامت کے دن جن کو تو نے تکلیفوں سے بچایا تو ان پر تیری رحمت ہوئی اور یہ ان کی بڑی کامیابی ہے

گویا اللہ کے یہ بلند مرتبت مقرب فرشتے مامور ہیں کہ اللہ کی بندگی اور اس کی حکم برداری والی زندگی گزارنے والے بندوں کے حق میں یہ دعائے خیر اللہ کے حضور میں کرتے رہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جس اللہ نے انہیں اس دعا پر مامور فرمایا ہے اور اپنی حمد و تسبیح کے ساتھ اس دعائے خیر کو ان کا وظیفہ بنایا ہے، وہ ان کی اس دعا کو کیوں نہ قبول فرمائے گا، بلکہ قرآن مجید میں یہ دعا اسی لئے ذکر کی گئی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ کے جو بندے اللہ کی بندگی والی زندگی گزارتے ہیں اور اس دنیا میں اس کی ہدایت کے پابند ہو کر رہتے ہیں، اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ اس نے اپنے مقرب ترین فرشتوں کو ان کا دعا گو بنادیا ہے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا اپنی حمد و تسبیح کی طرح ان کا وظیفہ مقرر فرمادیا ہے۔

اور اس کے برعکس جو بدنصیب انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے

بجائے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں، ان کی محرومی اور بربادی کا اعلان قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا گیا:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (القصص:۵۰)

ترجمہ: اور ان سے زیادہ گمراہ اور بھٹکا ہوا کون ہے جو اللہ کی ہدایت سے ہٹ کر اپنی خواہشات کی پیروی کریں، اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور سورۂ فرقان میں فرمایا گیا:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ ۭ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان:۴۳تا۴۴)

ذرا ان بدنصیبوں کو دیکھو جو (خدا کی بندگی اور اس کی ہدایت کی پیروی چھوڑ کر) اپنی خواہشات نفس کے پرستار ہو گئے ہیں، کیا تم ان کو سنبھالنے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ (وہ ہرگز درست نہ ہوں گے!) کیا تمہارا خیال ہے کہ ان میں سے بہت سے کچھ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ نہیں وہ تو بس لایعقل جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔

عمل صالح

اسی اتباع ہدیٰ اور اطاعت رسولِ خدا اور رسول والی زندگی کی ایک تعبیر عمل صالح والی زندگی بھی ہے، قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب اور محبوب ہے اور جو ہم کو اس کا محبوب بندہ بنانے والی ہے۔ قرآن پاک میں بلا مبالغہ سیکڑوں مقامات پر عمل صالح والی زندگی پر ایسی کیف آور بشارتیں سنائی گئی ہیں جن میں ایمان والی روحوں کے لئے لذت و سرور اور نشاط و مستی کا یقیناً اس سے زیادہ سامان ہے جتنا کہ شراب کے متوالوں کو شراب سے حاصل ہوتا ہو گا۔ چند آیتیں یہاں بھی سن لیجئے۔

سورۂ حج میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ آپ پوری انسانی دنیا کو ہمارا پیغام سنا دیجئے! ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (الحج: ۴۹تا۵۱)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجئے اور سب کو سنا دیجئے کہ اے انسانو! میں اللہ کی طرف سے تم کو صرف خبر دار کرنے والا اور اس کا پیغام کھول کھول کر سنانے والا ہوں، پس جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں ان کے لئے ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ہمارے احکام و فرامین کے مقابلہ میں زور آزمائی کریں وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا:

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی (طٰہٰ: ۸۲)

ترجمہ: اور میری بڑی بخشش ہے ان کے لئے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں اور ٹھیک ٹھیک چلتے رہیں۔

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (العنکبوت: ۷)

ترجمہ: اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں ہم ان کی خطائیں معاف اور ان کی برائیاں دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

اور سورۂ نساء میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا (النساء: ۱۲۲)

اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں، ہم ضرور ان کو ان بہشتی باغات میں بسائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا بالکل سچا اور کس کی بات ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی؟

اور سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الشوریٰ: ۲۲ تا ۲۳)

ترجمہ: اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں وہ جنت کے باغیچوں میں رہیں گے، ان بہشتی باغوں میں جس چیز کی وہ خواہش کریں گے اپنے پروردگار کے پاس وہ ان کو ملے گی، یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے، اللہ تعالیٰ خوش انجامی کی بشارت اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں۔

اور سورۂ کہف میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ (الکہف ۱۰۷ تا ۱۰۸)

ترجمہ: بیشک جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں ان کے پروردگار کی طرف سے ان کی مہمانی کے لئے فردوس یعنی جنت کے باغات ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (نہ ان کو وہاں سے کبھی نکالا جائے گا اور) نہ وہ خود وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔

اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا:

وَ مَنۡ یَّاۡتِہٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِکَ لَہُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰی ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَکّٰی ﴿۷۶﴾ (طٰہٰ: ۷۵ تا ۷۶)

اور جو بندے اپنے پروردگار کے حضور میں مومن ہو کر حاضر ہوں گے اور عمل صالح والی زندگی انہوں نے گزاری ہوگی، ان کے لئے وہاں نہایت بلند درجے ہیں، کبھی نہ فنا ہونے والے بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ صلہ ملے گا ان کو جو (کفر و نافرمانی کی گندگی سے) پاک ہوں۔

ان سب آیتوں میں ایمان اور عمل صالح والی زندگی گزارنے والوں کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کے فضل و بخشش اور جنت و نعمائے جنت کی بشارتیں ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت پر ایمان و یقین نصیب فرمایا ہے ان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی بشارت اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی کہ آخرت کی حقیقی اور کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا و مغفرت اور جنت نصیب ہو جائے۔

بالفرض اگر ایمان و عمل صالح کے صلہ میں اس فانی دنیا میں کچھ بھی نہ ملے اور صرف آخرت ہی میں وہ مل جائے جس کا وعدہ ان آیتوں میں کیا گیا ہے تو بھی یقیناً نفع ہی نفع ہے اور ہر مومن بندہ اس سودے پر دل و جان سے راضی ہو کر اپنے رب کریم کا شکر گزار ہی ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عمل صالح

اور ایمان کے صلہ میں آخرت میں مغفرت اور جنت کے علاوہ اس دنیا میں بھی کچھ عطا فرمانے کا وعدہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے، وہ اس دنیا کی بھی سب سے بڑی نعمت ہے۔

مثلاً سورۂ مریم میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم: ۹۶)

ترجمہ: بلاشبہ جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں، بڑی رحمت والا پروردگار ان کو ضرور محبت سے نوازے گا۔

یعنی اس دنیا کی زندگی میں ان کو اللہ کی محبت و محبوبیت کا مقام نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرمادے گا۔

سوچئے! کسی بندے کے لئے اس دنیا میں اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے دل کو اللہ سے محبت و تعلق کی دولت نصیب ہوجائے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت کے لئے چن لے اور عامہ مخلوق کے دل میں بھی اس کی محبت و مقبولیت پیدا کردی جائے۔

صرف مادی لذتوں اور برائیوں سے دلچسپی رکھنے والے جو انسان اپنی انسانیت کھو کر حیوانیت کی سطح پر آچکتے ہیں، غالباً ان کے نزدیک تو اس دنیا کی بڑی نعمتیں صرف روپیوں کے ڈھیر، اینٹوں اور پتھروں سے بنے ہوئے عالیشان محلات، انواع واقسام کے لذیذ مرغن کھانے، بیش قیمت کپڑے اور قیمتی سواریاں ہی ہوں گی، لیکن جو واقعی انسان ہیں انہیں اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ اللہ کی محبت و محبوبیت اور عام خلائق کی نگاہ میں مقبولیت کا ایک لمحہ اس پوری عمر سے زیادہ لذیذ اور قیمتی ہے جس میں مذکورہ بالا ساری مادّی نعمتیں تو میسر ہوں لیکن اللہ کی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کی اس نعمت سے محرومی ہو۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے جس بندے کو اپنی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کا کوئی حصہ نصیب فرمائے بس وہی جانتا ہے کہ اس کو کتنی بڑی دولت اور زندگی کا کیسا لطف حاصل ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ "حیوٰۃ طیبہ" فرمایا گیا ہے۔ سورۂ النحل میں ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل: ۹۷)

ترجمہ: جو بندہ عمل صالح والی زندگی گزارے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو ضرور اس کو "حیات طیبہ" (نہایت اچھی پر لطف زندگی) دیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال حسنہ کا ان کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا صلہ ان کو عطا

فرمادیں گے۔

اس آیت میں عمل صالح والی زندگی پر جس "حیوٰۃ طیبہ" کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق اس دنیا سے ہے اور وہ اللہ کی محبت و محبوبیت، سکینت و طمانیت اور خلق اللہ میں مقبولیت کی وہی زندگی ہے جس کا ابھی اُوپر ذکر کیا گیا اور بلاشبہ وہ اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت اور سب سے بڑی لذت ہے۔

دنیا میں یہ "حیوٰۃ طیبہ" ملنا تو ایمان اور عمل صالح والی زندگی کا وہ صلہ ہے جس سے ہر وہ فرد نوازا جاتا ہے جو ایمان و عمل صالح کی شرط کو پورا کرے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑا انعام اور صلہ اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی رکھنے والوں کو یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک کا انتظام ان کے سپرد کر دیتا ہے اور نظم و نسق ان کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ اللہ کی زمین کا انتظام اللہ کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں اور انتظام میں وہ اللہ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں، لیکن یہ انعام اور صلہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے یعنی ہر فرد کو اس کے ایمان اور عمل صالح پر یہ صلہ نہیں دیا جاتا بلکہ اگر کوئی قوم اور جماعت ایمان اور عمل صالح والی زندگی کو اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ اس قوم اور جماعت کو اس نعمت سے نوازتے ہیں۔

ایمان اور عمل صالح کے اسی انعام کا وعدہ سورۂ نور میں ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۵)

ترجمہ: اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں کہ ان کو ضرور منتظم اور خلیفہ بنائے گا زمین کا، جیسا کہ ان سے پہلے گزشتہ امتوں کے مومنین صالحین کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ اور اس کا ازلی قانون ہے کہ اگر دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی رکھنے والی امت موجود ہو تو اللہ تعالیٰ زمین کے انتظام حکومت کے لئے اسی کا انتخاب کرتا ہے اور اسی کو اپنی خلافت و نیابت دیتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ نزول قرآن سے پہلے زمانوں میں بھی یہی ہوا اور نزول قرآن کے بعد کے دور کے لئے بھی یہی وعدۂ الٰہی اور منشور خداوندی ہے۔

سورۂ انبیاء کے آخری رکوع میں اسی خداوندی دستور کا بیان ان الفاظ میں فرمایا گیا:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء

(۱۰۵)

ترجمہ: اور ہم لکھ چکے زبور میں نصیحت کے بعد کہ زمین کے وارث ہوں گے اور اس کا انتظام کریں گے میرے صالح بندے۔

ضروری انتباہ

ان آیتوں سے یہ سمجھنا کہ دنیا میں حکومت صرف صالحین کو ملتی ہے اور کسی گروہ کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا اس کے صالح ہونے کی نشانی ہے، بڑی گھٹیا درجہ کی غلط فہمی ہے۔ ان آیات کا مفاد جیسا کہ ہم نے بتلایا صرف یہ ہے کہ جب دنیا میں ایمان اور عمل صالح والی کوئی امت اور جماعت موجود ہو گی تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص نصرت اور مدد سے زمین کا اقتدار و انتظام اس کے سپرد کر دے گا اور یہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام اور مزید ترقیات کا باعث ہو گا۔

تقویٰ

اللہ یوم آخرت اور سلسلۂ نبوت پر ایمان کے بعد جن چیزوں کی دعوت قرآن مجید نے زیادہ اہمیت کے ساتھ دی ہے اور جن کو گویا انسان کی فلاح وسعادت کا مدار بتلایا ہے، ان میں سے ایک "تقویٰ" بھی ہے۔

تقویٰ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہوئے، پھر اللہ کی ناراضی اور اس کی پکڑ اور آخرت کے عذاب اور مواخذے سے ڈرتے ہوئے فکر اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ جو علم قرآن میں خصوصی امتیاز اور مہارت رکھتے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی اس خاص علمی حیثیت کی توثیق فرمائی تھی۔ ایک دن ان سے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "کبھی کانٹوں بھرے کسی راستے پر چلنے کا اتفاق تو آپ کو ضرور ہوا ہو گا؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "کیوں نہیں! بارہا ایسے راستوں پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے۔" حضرت اُبیّ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "اس وقت آپ نے کیا کیا"؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے اپنے جسم اور کپڑوں کو سنبھالا اور خوب کوشش کی کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے بچا کر صحیح سالم نکل جاؤں"۔ حضرت ابیّ نے فرمایا "فذالك التقویٰ"[1] (بس یہی تقویٰ کی حقیقت ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ کی کوئی تشریح اس سے بہتر اور بلیغ تر نہیں کی جاسکتی۔

قرآن مجید کی جن آیتوں میں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین اور تاکید فرمائی گئی ہے ان سب کا شمار بھی مشکل ہے، صرف چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں پڑھ لیجئے:

---

[1] ابن کثیر جلد اوّل ص ۴۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران ۱۰۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور (آخری دم تک اس تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے دل و جان سے اپنے اس مالک کی فرمانبرداری کرتے رہو یہاں تک کہ) تم کو اسی فرمانبرداری کی حالت میں موت آجائے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سب کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے اور جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا نظام ہے اور بے انتہا بخشش و رحمت کے ساتھ جس کے قہر و جلال کی بھی کوئی حد نہیں ایسے مالک سے بندہ کو جیسا ڈرنا چاہئے، ایمان والے اس سے ویسا ہی ڈریں اور زندگی کی آخری سانس تک اس کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔

اور سورۂ تغابن میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا (التغابن: ۱۶)

ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو جس قدر بھی تم سے ہو سکے اور دل و جان سے اس کے سارے حکم سنو اور مانو۔

اور سورۂ حشر میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر: ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر متنفس کو ضرور دیکھنا اور (سوچنا) چاہئے کہ اس نے کل کے لئے (یعنی آخرت کے لئے) کیا سامان کیا ہے اور (تم کو مکرر تاکید کی جاتی ہے کہ) اللہ سے ڈرتے رہو! یہ بالکل قطعی اور یقینی بات ہے کہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، (تمہارا کوئی عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔)

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے قرب کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔

ان چاروں آیتوں میں تقویٰ کی تاکید ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے

لوازم اور مقتضیات اختیار کرنے پر بھی پورا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں "اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ" کے ذریعہ تقویٰ کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہے کہ: "زندگی کے آخری سانس تک اپنے پروردگار کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے رہو" اور دوسری آیت میں اسی مضمون کو "وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا" کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے اور تیسری آیت میں "وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے الفاظ سے ہر شخص کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنے اور سفر آخرت کے لئے اعمال صالحہ کا توشہ تیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور چوتھی آیت میں "وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جن اعمال صالحہ اور جن طاعات و مجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو سکتی ہے ان کو اختیار کیا جائے اور اس راہ میں پوری پوری جدوجہد کی جائے اور آخر میں "لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" فرما کر اہل تقویٰ کو فلاح و کامیابی کی بشارت بھی سنائی گئی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کو شامل ہے۔

پھر قرآن مجید کی سیکڑوں آیتوں میں اس فلاح و کامیابی کی تفصیل کی گئی ہے، جو تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی بدولت اللہ کے متقی بندوں کو دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والی ہے۔

چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی پڑھ لیجئے! پہلے صرف دو تین وہ آیتیں پڑھئے جن میں اہل تقویٰ کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران: ۱۵)

ترجمہ: جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لئے ان کے رب کے پاس بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ ان ہی باغات میں رہیں گے اور پاک وصاف بیویاں وہاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے، اللہ اپنے سب بندوں (کے ظاہری و باطنی احوال) پر گہری نظر رکھتا ہے، (اس لئے کسی کا متقی یا غیر متقی ہونا اس سے مخفی نہیں رہ سکتا)۔

اس آیت میں تقویٰ کو جنت اور اس کی نعمتوں کے علاوہ اللہ کی رضا کا بھی مژدہ سنایا گیا ہے، جو یقیناً دنیا اور آخرت کی ساری نعمتوں سے بلند تر ہے۔ خود قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (التوبہ: ۷۲)

اور سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (النحل: ۳۰ تا ۳۱)

ترجمہ: اور متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہے غیر فانی اور سدا بہار بہشت کے باغات میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ مہیا ہو گا جو وہ چاہیں گے، اسی طرح اللہ متقیوں کو ان کے تقویٰ کا بدلہ دے گا۔

اور سورۂ قمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر: ۵۴ تا ۵۵)

ترجمہ: جن بندوں نے دنیا میں تقویٰ کا رویہ اختیار کیا وہ (آخرت میں) باغات اور نہروں میں رہیں گے، ایک عمدہ مقام میں کامل اقتدار رکھنے والے کائنات کے حقیقی بادشاہ کے قرب میں۔

اللہ اللہ! کیا نصیب ان بندوں کے جن کو جنت میں ہر قسم کی دوسری نعمتوں کے ساتھ اپنے مالک کا قرب خصوصی بھی حاصل ہو گا۔

ان آیتوں میں تو اہل تقویٰ کو صرف ان انعامات کی خوشخبری سنائی ہے جن سے وہ مرنے کے بعد عالم آخرت میں نوازے جائیں گے۔ اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجئے جن میں ان متقی بندوں کو آخرت کی جنت و مغفرت کے علاوہ اس سے پہلے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کی بشارت سنائی گئی ہے۔

سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (الانفال: ۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تم کو اپنے خاص فضل سے ایک امتیازی قوت اور امتیازی شان بخشے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں جو "فرقان" کا لفظ ہے (جس کا مطلب ہم نے یہاں امتیازی قوت اور امتیازی شان کے الفاظ سے ادا کرنا چاہا ہے) دراصل اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تقویٰ کا رویہ اختیار کرنے والے بندوں کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کی معرفت کی جو ایک خاص صلاحیت عطا ہوتی ہے اور ان کی زندگی میں جو ایک نمایاں امتیاز ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان

کی ہیبت و عظمت قلوب میں پیدا ہوتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد جو ان کے ساتھ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے بلند مقاصد میں معجزانہ قسم کی کامیابی حاصل کرتے ہیں، فرقان کے مفہوم میں دراصل یہ سب کچھ داخل ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کو یہ سب ہی کچھ اس دنیا میں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ گناہوں کی معافی اور بخشش کا بھی۔ جس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔

اور سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)

ترجمہ: اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرتے تو ہم زمین و آسمان سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور اس قانون کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی ملک اور کسی علاقہ کے لوگ ایمان اور تقویٰ والی زندگی اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، پھر جن نعمتوں کا تعلق آسمان سے ہے وہ ان پر آسمان سے برستی ہیں اور جن کا تعلق زمین سے ہے وہ زمین سے ان کے لئے ابلتی ہیں۔

اور سورۂ طلاق میں اہل تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسی خاص فضل و کرم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳)

ترجمہ: اور جو لوگ تقویٰ کا رویہ اختیار کریں، ان کے واسطے اللہ تعالیٰ مشکلات اور سختیوں سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور ان کو ان طریقوں سے رزق دیتا ہے جن کا ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اور سورۂ یونس میں اہل تقویٰ کو اللہ کے دوست قرار دے کر ان کو دنیا اور آخرت میں سرفرازی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس: ۶۲ تا ۶۴)

ترجمہ: یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انہیں کوئی خوف و غم نہ ہوگا، وہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کا رویہ انہوں نے اختیار کیا، ان کے لئے خاص خوشخبری ہے دنیا کی

زندگانی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اس آیت میں اہل تقویٰ کو اولیاء اللہ (اللہ کے دوست) کہا گیا ہے جو یقیناً ان کا بہت ہی بڑا اکرام و اعزاز ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا اعزاز ان کا یہ ہے کہ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات پاک کو ان کا دوست بتلایا ہے۔

سورۂ جاثیہ میں ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ (الجاثیہ ۱۹)

ترجمہ: اور اللہ دوست ہے تقویٰ والوں کا۔

اسی طرح سورۂ نحل کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کو متقیوں کا رفیق اور ساتھی بتلایا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل: ۱۲۸)

ترجمہ: اللہ اپنے ان بندوں کے ساتھ ہے (اور ان کا رفیق ہے) جو متقی اور نیکوکار ہیں

۔

بلاشبہ کسی بندے کے لئے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا کہ اس کا مالک و مولا اس کے بارے میں فرمائے کہ ہم اس کے دوست، اس کے رفیق اور اس کے ساتھ ہیں۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

تقویٰ ہی اصل نیکی اور عمل صالح کی روح ہے

قرآن مجید تقویٰ ہی کو نیکی کی اصل و اساس اور سارے اعمال کی روح قرار دیتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی (البقرہ: ۱۸۹)

ترجمہ: لیکن نیکی کی حقیقت تو بس یہ ہے کہ کوئی اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے۔

اور سورۂ حج میں قربانی کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ: تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو مطلوب نہیں اور نہ وہ اس کے پاس پہنچتا ہے بلکہ دل کا جو جذبہ اور اس کی وہ کیفیت جو قربانی کے حکم کی تعمیل کراتی ہے، یعنی تقویٰ، بس وہ مطلوب ہے اور وہی خدا کے پاس پہنچتی ہے اور قبول ہوتی ہے اور وہی گویا عمل کی روح ہے۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (الحج: ۳۷)

ترجمہ: تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا، اس کے حضور جو کچھ پہنچتا ہے وہ تمہارے دلوں کا "تقویٰ" ہے۔

اسی لئے ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ اسی عمل کو قبول کرتا ہے جس کے کرنے والے میں تقویٰ ہو اور اس نے وہ عمل تقویٰ کی صفت کے ساتھ کیا ہو۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی فکر اس عمل کی محرک ہو۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدہ ۲۷)

اللہ تقویٰ والوں ہی کے عمل کو قبول کرتا ہے۔

قرآن مجید میں تقویٰ کی تعلیم و دعوت ترغیبی انداز میں بھی دی گئی اور ترہیبی انداز میں بھی۔ یعنی بہت سے مقامات پر تو مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الٰہی کی جیسی خوشخبریاں سنا کر تقویٰ پر ابھارا گیا ہے اور بہت سی آیتوں میں اسی طرح قیامت اور آخرت کے ہولناک مناظر کا ذکر کر کے انسان کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے چند ترہیبی آیتیں پڑھئے!

سورۂ حج میں ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝ (الحج: ۱ تا ۲)

ترجمہ: اے آدم کے فرزندو! اپنے پروردگار سے ڈرو! یقین کرو کہ قیامت کا بھونچال بڑا ہی سخت حادثہ ہوگا، جس دن وہ قیامت تمہارے سامنے آجائے گی اور تم (اس کے ہیبت ناک مناظر دیکھو گے) تو حالت یہ ہوگی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہے گا یہاں تک کہ ننھے بچے کو دودھ پلانے والی ماں اپنے اس بچے کو بھول جائے گی اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور تم دیکھو گے سب لوگوں کو نشہ کی سی حالت میں بے ہوش اور وہ کسی نشہ سے بے ہوش نہ ہوں گے مگر اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے، (یعنی اس ہولناکی اور دہشت سے ان کا یہ حال ہوگا۔)

سورۂ لقمان کے آخر میں ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (لقمان:

(۳۳

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف سے کسی مطالبہ کی ادائیگی کرے گا (بلکہ ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہو گی۔) یقین کرو کہ اللہ کا وعدہ بالکل حق اور اٹل ہے، پس یہ دنیوی زندگانی تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے اور اسی طرح دھوکہ باز شیطان اللہ کی طرف سے تم کو کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے۔

ان دونوں آیتوں میں تو تقویٰ اور خوف خدا دلوں میں پیدا کرنے کے لئے قیامت اور آخرت کے شدائد اور ہولناک مناظر کا بیان کیا گیا ہے (اور بلاشبہ یہ ایسا بیان ہے کہ اگر کسی دل میں اس کو سن کر بھی خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا نہ ہو تو بلاشبہ وہ دل پتھر کا ہے) اور بہت سی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے قہر و عذاب کا ذکر کر کے بھی دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مثلاً سورہ بقرہ ہی میں ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (البقرہ: ۱۹۶)

ترجمہ: اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ (مجرموں کو) اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

اسی طرح سورۂ مائدہ کے پہلے ہی رکوع میں فرمایا گیا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (المائدہ: ۲)

ترجمہ: اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ (مجرموں) کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

اور چند آیتوں کے بعد فرمایا گیا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (المائدہ ۷)

اور ڈرو اللہ سے اور یقیناً اللہ سینوں کے چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔

اور اس سے اگلی ہی آیت میں پھر فرمایا گیا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ: ۸)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو، یقیناً وہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

بعض مقامات پر تقویٰ کی تعلیم و تلقین کے لئے یہ عنوان بھی اختیار فرمایا گیا ہے کہ: اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، تم کو اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔

مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (البقرہ: ۲۰۳)

ترجمہ: اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ تم سب اس کے سامنے جمع کئے جاؤ گے۔

پھر دو رکوع کے بعد اسی سورہ البقرہ میں فرمایا گیا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ (البقرہ: ۲۲۳)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ تم سب اس کے سامنے حاضر ہونے والے ہو۔

ان سب آیتوں میں تو ترہبی انداز میں تقویٰ کی تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے۔ اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجئے جن میں ترغیبی انداز یعنی مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الٰہی کی خوشخبریاں سنا سنا کر تقویٰ پر ابھارا گیا ہے۔ سورۂ نساء میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النسآء: ۱۲۹)

ترجمہ: اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرو تو اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے، (وہ تمہارے ساتھ مغفرت اور رحمت ہی سے پیش آئے گا۔)

اور سورۂ حجرات میں فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، اللہ بہت عنایت فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اور اسی سورۃ میں فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الحجرات: ۱۰)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو، تاکہ تم پر تمہارے مالک کی رحمت ہو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لئے مغفرت و رحمت کے علاوہ اپنی محبت اور اپنے پیار کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (آل عمران: ۷۶)

ترجمہ: ہاں جو پورا کریں عہد اور تقویٰ کا رویہ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان متقی بندوں سے محبت اور پیار کرتا ہے۔

اسی طرح توبہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ: ۴)

ترجمہ: یقیناً اللہ کا پیار ہے اپنے متقی بندوں پر۔

ان آیتوں میں اہل تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جس محبت اور رحمت کی خبر دی گئی ہے اس کا اصل ظہور تو عالم آخرت ہی میں ہو گا جو دراصل جزا کا عالم ہے، لیکن قرآن مجید ہی نے بتلایا ہے کہ کسی درجے میں اس کا ظہور اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون کی چند آیتیں چند ہی ورق پہلے ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں۔ ایک آیت یہاں اور پڑھ لی جائے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُہُمۡ شَیۡئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ (آل عمران: ۱۲۰)

ترجمہ: اور اگر تم صبر و استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو تمہارے ان دشمنوں کی چالوں (اور ان کے خفیہ واروں) سے تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، (کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ اور مدد گار ہو گا) اور وہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں (تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے جو خفیہ چالیں چلتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے اور سب اس کے بس میں ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ اللہ کے جو بندے صبر اور تقویٰ کی روش اختیار کریں گے ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مدد گار ہو گا اور ان کی بدخواہیوں اور بداندیشیوں سے ان کی حفاظت فرمائے گا۔

اہل تقویٰ کو ایک خوشخبری قرآن مجید یہ بھی سناتا ہے کہ موت کے وقت ان کی روح خوش و خرم ہوتی ہے اور قبض روح کے لئے جو فرشتے ان کے پاس آتے ہیں وہ ان کو پہلے سلام کر کے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔

سورۂ نحل میں اہل تقویٰ کو آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کی خوشخبری سنانے کے بعد فرمایا گیا ہے:

کَذٰلِکَ یَجۡزِی اللّٰہُ الۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۳۱﴾ الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیۡنَ ۙ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ (النحل: ۳۱ تا ۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایسی ہی جزا دے گا متقیوں کو، وہ متقی بندے جن کی روح قبض کرتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں، کہتے ہیں: تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے سلامتی ہے (اور اس کا تمہارے لئے فرمان اور فیصلہ ہے کہ) پہنچ جاؤ اس کی تیار کی ہوئی جنت میں اپنے اعمال کے سبب سے۔

نیز قرآن مجید ہی کا بیان ہے کہ اسی طرح آخرت میں جنت کے داخلہ کے وقت بھی وہ فرشتے

جو جنت کے نگراں مقرر ہیں، اہل تقویٰ کا استقبال بڑے اکرام اور اعزاز سے کریں گے اور ان کو سلا م کر کے اور مبارکباد دے کر اللہ کے انعامات کی بشارتوں سے ان کو شاد کریں گے۔

پڑھئے سورۂ زمر کے آخری رکوع کی یہ آیت:

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (الزمر: ۷۳)

ترجمہ: اور لے جائے جائیں گے متقی بندے جنت کی طرف گروہ در گروہ یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے: سلام ہو تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو، پس داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کے لئے۔

فرشتوں کی طرف سے یہ سلامی اور مبارکباد لیتے ہوئے اللہ کے یہ متقی بندے اس جنت میں داخل ہوں گے جو اللہ نے انہی کے لئے سجائی اور بنائی ہے (اُعدّت للمتقین) اور اس وقت ان کی زبانوں پر اپنے مالک کی حمد و ثنا کا یہ ترانہ ہو گا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (الزمر: ۷۴)

ترجمہ: تمام تر تعریف ہے اس خدا کے واسطے جس نے پورا کیا ہم سے اپنا وعدہ اور وارث بنایا ہم کو اس زمین کا کہ ہم ٹھکانہ بناتے ہیں جنت میں جہاں چاہیں۔

پھر جنت میں اللہ تعالیٰ کے ان متقی بندوں کو جو نعمتیں اور جو راحتیں اور لذتیں عطا فرمائی جائیں گی، حق تو یہ ہے کہ اس دنیا میں ان کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں ہو سکتا، تاہم ہم نے چند صفحے پہلے جو دو چار آیتیں اس مضمون کی درج کی ہیں ان سے جو کچھ اجمالی اندازہ ہو سکتا، ہے اہل ایمان میں جنت کا شوق اور اس کی طلب و تڑپ پیدا کرنے کے لئے بلاشبہ وہ بھی کافی ہے۔

اس سلسلے میں سورۂ صٓ کی یہ آیت پڑھ کر بھی اپنی ایمانی روح کو تازہ کر لیا جائے:

وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ (ص: ۴۹ تا ۵۴)

ترجمہ: اور یقیناً متقیوں کے لئے اچھا ٹھکانا، باغ ہیں غیر فانی، کھلے ہوئے ہیں ان کے لئے دروازے، بیٹھے ہیں ان میں تکیہ لگائے، منگاتے ہیں میوے اور شربت اور ان کے پاس

عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں، سب ایک عمر کی۔ یہ ہے وہ (انعام) جس کا وعدہ کیا جارہا ہے تم سے روز حساب کے لئے، بیشک یہ ہے ہمارا رزق جس کو کبھی نبڑنا نہیں۔

قرآن مجید نے تقویٰ کی تعلیم وترغیب اور اس کے فضائل وبرکات اور اس پر دنیا اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات اور بشارتیں سنانے کے ساتھ ایک نہایت اہم اعلان تقویٰ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ: بندوں کی چھوٹائی بڑائی اور ان کی پستی اور بلندی کا معیار اللہ کے نزدیک بس تقویٰ ہی ہے، پس جو تقویٰ میں جتنا اونچا اور جس قدر ممتاز ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں وہ اتنا ہی اونچا اور اتنا ہی ممتاز ہے۔ اور جو تقویٰ میں جتنا ناقص، جتنا ہیٹا اور جتنا گھٹیا ہے وہ اللہ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں اتنا ہی ناقص اور گھٹیا اور بے قیمت ہے۔ سورۂ حجرات میں ارشاد ہے:

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: اللہ کے یہاں تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تقویٰ میں بڑا ہے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ تقویٰ ہی بندے کی وہ صفت ہے جو اس کو ان معاصی اور منکرات سے روکتی ہے جن سے رکنے ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، وہی ان اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کو پیدا کرتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ ہے۔

اللّٰھم آتِ نفوسنا تقواھا وزکھا۔ انت خیر من زکّھا، انت ولیھا ومولاھا۔

تقویٰ کی نشانیاں اور اہل تقویٰ کے اوصاف

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا جاچکا ہے تقویٰ دراصل دل کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے پھر اس کیفیت کے دل میں ہونے سے آدمی احتیاط اور پرہیزگاری کی جو زندگی گزارتا ہے، اس کو بھی تقویٰ کہہ دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر تقویٰ کے کیا اثرات ہوتے ہیں اور اہل تقویٰ کی خاص علامات اور نشانیاں کیا ہیں؟ چند آیتیں اس سلسلے کی بھی پڑھ لیجئے۔ سورۂ بقرہ کے بالکل شروع ہی میں ارشاد ہے:

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾
(البقرہ: ۲ تا ۳)

ترجمہ: یہ کتاب (قرآن مجید) ہدایت ہے متقی بندوں کے واسطے (وہی اس سے نفع اٹھائیں گے، یہ متقی بندے وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ) وہ بن دیکھی باتوں پر ایمان

لاتے ہیں اور خوب اچھی طرح نماز ادا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں۔

یہاں اہل تقویٰ کی موٹی موٹی علامتیں بیان کی گئیں ہیں۔ ایک اللہ کے رسول کی بتلائی ہوئی ان غیبی حقیقتوں کو دل سے ماننا اور ان پر ایمان لانا جن کو آدمی بطور خود نہیں جان سکتا۔ (مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، قیامت وآخرت اور جنت ودوزخ وغیرہ) دوسرے نماز اچھی طرح ادا کرنا اور تیسرے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کرنا۔

پس جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی جائے، سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ پھر اسی سورۂ بقرہ میں آگے ایک موقع پر فرمایا گیا ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: اصل نیکی کرنے والے (جن کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قدر وقیمت ہے) وہ بندے ہیں ایمان لائے سچے دل سے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں پر اور نبیوں پر اور اپنا محبوب مال انہوں نے اللہ کی محبت میں (اس کے حکم کے مطابق) دیا اپنے (صاحب حاجت) اہل قرابت کو اور عام یتیموں، مسکینوں کو اور (ضرورتمند) مسافروں اور سائلوں کو اور (خرچ کیا) غلاموں کی رہائی میں اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جبکہ کسی سے کوئی عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف ومصیبت کے وقت اور حق وباطل کی جنگ میں، یہی ہیں راست باز اور متقی بندے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ راست باز اور متقی وہ لوگ ہیں جن میں تقویٰ کے یہ آثار اور یہ نشانیاں پائی جائیں، وہ ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اللہ کے فرشتوں اور اللہ کی کتابوں پر اور نبوت کے پورے سلسلے پر اور مال کی محبت اور چاہت کے باوجود اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو بے دریغ خرچ کرتے ہوں اپنے حاجت مند قرابت داروں پر، عام مسکینوں، یتیموں پر، ضرورت مند مسافروں اور سائلوں پر اور اللہ کے بندوں کو قیدِ غلامی سے آزاد کرانے پر۔ نیز وہ پوری فکر کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوں، زبان کے سچے اور وعدے کے پکے ہو

ں اور اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کی راہ میں تنگیاں اور سختیاں جھیلنے والے اور حق پر مضبوطی سے قائم رہنے والے ہوں۔

اور سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۡ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۣ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ (آل عمران: ۱۳۳ تا ۱۳۵)

ترجمہ: لوگو! تیزی سے بڑھو اور دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش اور وسیع جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے، وہ ان متقی بندوں کے لئے تیار کی گئی ہے (جن کی سیرت یہ ہے کہ) وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، خوشحالی میں بھی اور تنگی اور تکلیف میں بھی اور جو آپس میں اختلافات ونزاعات میں غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ ایسے نیکوکار بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اور (وہ بندے بھی متقیوں ہی میں شامل ہیں اور جنت کے وہ بھی مستحق ہیں) جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی اتفاق سے کوئی شرمناک بات ان سے سرزد ہو جاتی ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے پھر وہ اس سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی چاہتے ہیں اور کون ہے سوا اللہ کے جو بخشے گناہوں کو؟ (اور پھر وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں) اور دیدہ ودانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے (اور اس کو اپنی عادت نہیں بناتے)۔

اس آیت میں اہل تقویٰ کی علامات اور صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ خوشی اور راحت اور تکلیف ومصیبت دونوں حالتوں میں خدا کو یاد رکھتے اور اس کے احکام کے مطابق اس کی راہ میں اپنا کما یا ہوا روپیہ خرچ کرتے ہیں اور اپنے ذاتی معاملات میں غصے کو پی جانے والے اور قصور واروں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی شیطان کے دھوکے یا نفس کے فریب میں آکر ان سے کوئی ناشائستہ حرکت یا کوئی معصیت سرزد ہو جاتی ہے تو انہیں اللہ اور اس کا عذاب یاد آجاتا ہے اور پھر وہ سچے دل سے اس سے معافی مانگتے ہیں اور گناہ کو وہ عادت نہیں بناتے، وہ بھی متقیوں میں شمار ہیں اور یہی آخری بات سورۂ اعراف میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف:۲۰۱)

ترجمہ: جن بندوں کے دلوں میں تقویٰ ہوتا ہے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی شیطان کی طرف سے کوئی چوکہ ان کو لگتا ہے (اور وہ خبیث ان پر کمند ڈالتا ہے) تو فوراً ہی ان میں چونک پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی ایمانی بصیرت بیدار ہو جاتی ہے (اور پھر وہ اس کے جال سے نکل جاتے ہیں)۔

اور سورۂ حج میں تقویٰ کا ایک خاص اثر یہ بتلایا گیا ہے کہ جس دل میں تقویٰ ہو گا وہ اللہ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کا بہت ادب اور ان کی بہت تعظیم کریگا، جیسے اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول، اللہ کی مسجدیں خاص کر خانہ کعبہ، اسی طرح اللہ کے نام اور اللہ والوں کا ادب کریگا۔ الغرض اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی علیٰ فرق مراتب تعظیم اور ان کا ادب کرنا بھی تقویٰ کے خاص آثار وعلامات میں سے ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (الحج:۳۲)

ترجمہ: اور جو بندے تعظیم کریں اللہ کے شعائر کی (یعنی اس سے خاص نسبت رکھنے والی چیزوں کی) تو ان کا یہ ادب و تعظیم کا رویہ ان کے دلوں کے تقویٰ کا نتیجہ ہے۔

اور اسی بنا پر سورۂ حجرات میں بارگاہ نبوی ﷺ کا ادب کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (الحجرات: ۳)

ترجمہ: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں (ازراہ ادب) دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے جانچ کر انتخاب کر لیا ہے تقویٰ کے لئے، ان کے لئے اللہ کی معافی ہے اور ثواب عظیم ہے۔

الغرض ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ادب اور اسی طرح اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ونسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم، تقویٰ کے لازمی اثرات میں سے ہے۔ جو بے ادب اور بیباک اس سے محروم ہیں ان کے دلوں کو تقویٰ کا کوئی ذرہ بھی نصیب نہیں۔ قویٰ کے آثار اور اہل تقویٰ کے اوصاف کے سلسلہ میں اب صرف ایک آیت اور پڑھ لیجئے! سورۂ ذاریٰت میں اہل تقویٰ کو جنت اور نعمائے جنت کی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ (الذاریت: ۱۵تا۱۹)

ترجمہ: یقیناً ہمارے متقی بندے بہشتی باغات میں اور خوش منظر رواں چشموں میں رہیں گے، ان کا پروردگار جو خاص نعمتیں ان کو دے گا، وہ ان کو (اپنے ہاتھوں سے) وہاں لیں گے، یہ بندے پہلے سے تھے اچھے کام کرنے والے، راتوں کو یہ تھوڑا سوتے تھے (اور زیادہ وقت نماز اور ذکر و دعا وغیرہ عبادات میں گزارتے تھے) اور سحر کے وقتوں میں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش کی دعائیں مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں حصہ تھا ضرورت مند سائلوں اور مارے ہوئے آفت رسیدوں کا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کے خاص آثار میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی رات کو کم سوئے اور اس کی راتوں کا زیادہ حصہ اللہ کی یاد، اس کی عبادت اور دعا و استغفار میں گزرے اور اس کے بعد بھی وہ مطمئن اور بے فکر نہ ہو بلکہ رات اس طرح گزارے کے باوجود اپنے کو خطاکار اور قصوروار سمجھتے ہوئے سحر کے وقت اپنے اللہ سے معافی اور بخشش کا سوال کرے اور اپنی دن کی کمائی میں ضرورت مند سائلوں اور ایسے بے دست و پا بندوں کو حصے دار بنائے جو کسی مرض یا کسی اور آفت کی وجہ سے ضروریات کے محتاج ہو گئے ہوں۔

ان سب آیتوں کے جمع کرنے سے تقویٰ والی زندگی کی ایک مکمل تصویر تیار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو تقویٰ کے نور سے منور فرمائے اور ہماری زندگیوں کو متقیوں والی زندگی بنائے اور ہمارے ساتھ چلنے والوں اور ہماری آئندہ نسلوں کو بھی تقویٰ نصیب فرمائے۔

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:۷۴)

خدا کی عبادت

تمام ادیان و مذاہب کا جن چند بنیادی باتوں پر اتفاق ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو خدا کی عبادت کرنی چاہئے۔ عبادت سے مراد خاص وہ اعمال ہوتے ہیں جن کو بندہ اللہ کے حضور میں اس کی رضا اور رحمت کا طالب بن کر اپنی بندگی اور سرافگندگی ظاہر کرنے کے لئے اور اپنے عمل سے اس کی معبودیت اور عظمت و کبریائی کی شہادت ادا کرنے کے لئے کرتا ہے۔ جیسے اسلام میں نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، صدقات، ذکر، دعا، تلاوت اور قربانی وغیرہ۔ یہ سارے عبادتی اعمال بندہ صرف اس لئے کرتا ہے کہ اس کا معبود اس سے راضی ہو، اس پر رحمت فرمائے اور ان کے ذریعہ اس کی روح کو پاکیزگی اور خدا کا تقرب حاصل ہو۔

انسان کے اچھے اعمال میں صرف عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا تعلق براہ راست صرف اللہ سے ہوتا ہے، یعنی عبادت صرف اس کی رضا و رحمت حاصل کرنے اور اس کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار اور رشتۂ عبودیت کو استوار کرنے ہی کے لئے کی جاتی ہے اور مٹی سے بننے والے اور گندہ پانی کے ناپاک قطرہ سے پیدا ہونے والے انسان کو اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا وہ تقرب، وہ رابطہ اور وہ حضوری حاصل ہوتی ہے جو دراصل ساکنین ملاء اعلیٰ کا حصہ ہے۔ اسی لئے تمام ادیان نے اپنے ماننے والوں سے خدا کی عبادت کا مطالبہ کیا ہے اور اس کو انسان کا مقدس ترین عمل قرار دیا ہے۔

عبادت کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں:

خالص جسمانی، خالص مالی، یا دونوں سے مرکب۔

خالص جسمانی وہ عبادات ہیں جن میں روپیہ خرچ نہیں ہوتا بلکہ ان کا تعلق صرف انسان کے جسم سے ہوتا ہے۔ جیسے اللہ کے حضور میں سجدہ کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اللہ کے گھر کا طواف

کرنا۔

اور خالص مالی سے مراد وہ عبادات ہیں جو اللہ کی راہ میں صرف مال خرچ کر کے ادا کی جاتی ہیں اور ان میں کوئی خاص جسمانی عمل نہیں کرنا پڑتا۔ جیسے صدقہ وخیرات کرنا، اللہ کے لئے کوئی نذر مان کر اس کو ادا کرنا، قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اور مرکب وہ عبادات ہیں جن کی ادئیگی میں جسم اور مال دونوں کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے حج اور عمرہ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جتنے پیغمبر مختلف زمانوں میں آئے اور جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں ان سب کے ذریعہ بندوں کو ان عبادات کا حکم دیا گیا ہے۔ زمانے کے حالات اور امتوں کے احوال کے مطابق اگرچہ عبادات کے نظام اور ان کی مقرر شکلوں میں کچھ اختلاف رہا ہے، لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عبادات کا حکم اور مطالبہ ہمیشہ رہا ہے، خصوصیت سے نماز اور زکوٰۃ (یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات) ہر شریعت کے اہم اجزا رہے ہیں۔

سورۂ انبیاء میں بہت سے اگلے نبیوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (الانبیاء: ۷۳)

ترجمہ: اور ہم نے بنایا ان کو رہبر، وہ رہنمائی کرتے تھے (اپنی امتوں کی) ہمارے حکم سے اور ہم نے پیغام دیا ان کو نیکیوں کے کرنے کا اور (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا، وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اور سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا گیا ہے:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (المائدہ: ۱۲)

ترجمہ: اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ان سے) کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے قائم رکھی نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لاتے رہے تم میرے رسولوں پر (جو بعد میں میری طرف سے آئیں گے) اور (ان کی دینی جدوجہد میں) تم ان کی مدد کرتے رہے اور خدا کی راہ میں اپنی دولت اچھی طرح صرف کرتے رہے تو (تمہارے ان نیک اعمال کی وجہ سے) ضرور بالضرور مٹادوں گا تمہارے گناہوں کو (یعنی وہ معاف کر دیئے

جائیں گے)اور بساؤں گا تمہیں ان جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اور سورۂ بینہ میں اہل کتاب کے اختلاف وانکار کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البینہ: ۵)

ترجمہ: اور ان کو صرف یہی حکم تو دیا گیا تھا کہ وہ عبادت اور بندگی کریں اللہ کی پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے بندے ہو کر اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور (وہ بھی جانتے ہیں کہ) یہی دین قیم ہے (جس کی دعوت اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے۔)

بہر حال قرآن مجید نے جابجا یہ بتایا ہے کہ عبادت دین کا اہم رکن ہے اور پیغمبروں کے ذریعہ ہر امت سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ اللہ کو ہماری عبادت کی کوئی ضرورت ہے یا اس کی شان میں ہماری عبادت سے کوئی اضافہ ہوتا ہے یا ہمارے رکوع وسجدے اور ہمارے صدقہ وخیرات سے اس کو کوئی نفع پہونچتا ہے، بلکہ صرف اس لئے بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے کہ عبادت ہی کے ذریعہ ہمارے روحوں کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور اپنے مالک ومعبود سے ہمارا رابطہ قائم ہوتا ہے۔

سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے چند باتوں کی خاص نصیحت اور تاکید فرمائی گئی ہے اور اس نصیحت کو ان لفظوں پر ختم کیا گیا ہے:

وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اور (اے نبی کی گھر والیو!) اچھی طرح ادا کرتی رہو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور فرمانبرداری کرتی رہو اللہ ورسول کے سب احکام کی۔ (اس نصیحت اور ان احکام سے) اللہ تعالیٰ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے ہر قسم کی آلائش اور گندگی دور ہو اور تم کو کامل طور سے پاک کر دیا جائے۔

الغرض عبادت کا حکم اگلی امتوں کو بھی اس لئے دیا گیا تھا اور ہم کو بھی اسی لئے دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے بندوں کی روحوں کو پاکیزگی حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنیں۔ اس تمہید کے بعد قرآن مجید کی چند وہ آیتیں پڑھئے جن میں ہم کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۂ حج میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الحج۔۷۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے لئے رکوع کرو اور سجدہ کرو (یعنی نماز پڑھو) اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

اس آیت میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ عبادت کا حکم صرف بندوں کی بھلائی کے لئے دیا گیا ہے، خدا کو ان کی عبادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ:۴۳)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

پھر اسی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (البقرہ: ۱۱۰)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیکی بھی اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو خدا کے پاس پالو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔

اور سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ (ابراہیم:۳۱)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) میرے بندے جو ایمان لے آئے ہیں ان کو پیغام دیجئے کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طور سے یا علانیہ طور سے (جیسا موقع ہو، ہماری راہ میں) خرچ کریں (اور نیکی کے یہ سارے کام قیامت کے) اس دن کے آنے سے پہلے کر لیں جس دن نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی۔

یعنی اس دن نیک اعمال ہی پر نجات کا دار و مدار ہو گا اور نیک عمل اگر بندہ خود اپنے ساتھ نہیں لے گیا ہے تو نہ وہاں کہیں سے خرید سکے گا نہ کوئی ایسا دوست وہاں ہو گا جو اس کو اپنے نیک اعمال بخش دے۔ لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ جو وقت ملا ہوا ہے اس کو غنیمت سمجھیں اور نماز اور صدقہ و خیرات وغیرہ عبادات کا ذخیرہ جمع کر کے اپنی نجات کا سامان کریں۔

اس کے بعد چند وہ آیتیں پڑھئے جن میں عبادت گزار بندوں کو بشارتیں سنائی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پیار و محبت سے ان کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۂ حج میں ایک جگہ ارشاد ہے:

وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴿۳۵﴾ (الحج: ۳۴تا۳۵)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) بشارت دیجئے اور خوشخبری سنایئے ہمارے ان نیاز شعار اور عبادت گزار بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو خوفزدہ ہو جاتے ہیں ان کے دل اور جو صبر کرتے ہیں اس پر جو اُن پر پڑتی ہے اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کے اور ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔

اور سورۂ رعد میں ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ﴿۲۴﴾ (الرعد: ۲۲تا۲۴)

ترجمہ: اور ہمارے جن بندوں نے اپنے نفس کو تھامے رکھا (اس کی بری خواہشوں سے) اپنے رب کی رضاجوئی میں اور قائم کی انہوں نے نماز اور خرچ کیا انہوں نے اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا تھا (موقع کے مطابق) پوشیدہ اور علانیہ اور کرتے ہیں وہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی، ان بندوں کے لئے آخرت کا اچھا گھر ہے، باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں رہیں گے اور ان کے ساتھ ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں گے اور فرشتے آئیں گے ان کے پاس ہر دروازہ سے اور کہیں گے سلام ہو تم پر اے اللہ کے بندو! بدلہ اس کا جو تم نے صبر کیا، خوب ہے اور مبارک ہے تمہارا آخرت کا یہ گھر۔

اور سورۂ نور میں ارشاد ہے:

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۪ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ (النور: ۳۶تا ۳۸)

ان عبادت خانوں میں (جن کا اوپر ذکر ہوا) اس (اللہ) کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں صبح و شام وہ بندے (جن کے تعلق باللہ کا حال یہ ہے) کہ ان کو غافل نہیں کر سکتا کوئی تجا

رتی مشغلہ اور نہ کوئی خرید و فروخت کا کام اللہ کی یاد سے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے، وہ بندے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس دن کی فکر سے جس میں کہ الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ ان کے بہترین اعمال کا اور مزید عطا فرمائے ان کو اپنے فضل خاص سے اور اللہ تعالیٰ دے گا جس کو چاہے گا بے حساب۔

اور سورۂ توبہ میں ایک جگہ ان بندوں کا ذکر فرماتے ہوئے جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا خاص وعدہ ہے، ان کے خاص اوصاف یہ بیان فرمائے گئے ہیں:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (التوبہ:۱۱۲)

ترجمہ: وہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت گزار ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، رکوع سجود کرنے والے یعنی نمازیں پڑھنے والے ہیں، اچھے کاموں کے لئے کہنے والے اور برائیوں سے منع کرنے والے ہیں اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے رسول! (ان صفات کے رکھنے والے) مومنین کو آپ (ہماری رحمت اور جنت) کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اور سورۂ مؤمنون میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ (المومنون:۱تا۴)

ترجمہ: یقیناً فلاح پالی ان ایمان والوں نے (اور اپنی مراد کو پہنچ کر وہ کامیاب ہو گئے) جو اپنی نمازیں خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں اور جو لغو و فضول باتوں اور مشغلوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی پاک دامنی اور امانت داری وغیرہ بعض اخلاقی محاسن کا ذکر فرما کر آخر میں ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (المومنون:۱۰تا۱۱)

ترجمہ: یہی وراثت پانے والے ہیں جو وراثت پائیں گے جنت الفردوس کی، وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ اِنَّہٗ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ ﴿۳۰﴾
(الفاطر: ۲۹ تا ۳۰)

ترجمہ: جن بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں ہمارا دیا ہوا پوشیدہ اور اعلانیہ، وہ امید رکھتے ہیں ایسی سوداگری کی جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں، ان کا انجام یہ ہے کہ پورا دے گا اللہ ان کو ان کا ثواب اور مزید بخش دے گا ان کو اپنے خاص فضل سے، وہ اللہ بہت بخشنے والا ہے اور اپنے بندوں کی عبادت گزاری اور نیک کرداری کی بڑی قدر فرمانے والا ہے۔

اور سورۂ سجدہ میں ان ہی عبادت گزار بندوں کے متعلق ارشاد ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (السجدہ ۱۶ تا ۱۷)

ترجمہ: ان کی کروٹیں اپنی خوابگاہوں سے الگ رہتی ہیں (یعنی جب سونے والے آرام سے میٹھی نیند سوتے ہیں تو ہمارے یہ خاص عبادت گزار بندے بستروں سے الگ ہماری عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔) اس کے عذاب کے خوف سے اور اس کی رحمت کی طمع میں اس سے دعائیں کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، پس کوئی نفس نہیں جانتا ان کی آنکھ کی ٹھنڈک کے ان سامانوں کو جو ان بندوں کے لئے چھپا کے رکھے گئے ہیں بدلہ میں ان کے اچھے اعمال کے جو وہ کرتے ہیں۔

سورۂ ذاریٰت میں ایسے ہی بندوں کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص نعمتیں عطا فرمائے جانے کا ذکر کرنے کے بعد ان کا حال خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے:

کَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَہۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالۡاَسۡحَارِ ہُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۱۹﴾ (الذاریت: ۱۷ تا ۱۹)

ترجمہ: ہمارے یہ بندے راتوں میں بہت کم سوتے تھے (بلکہ رات کے بڑے حصہ میں عبادت کرتے تھے (اور رات اس طرح گزار کے) سحر کے اوقات میں مغفرت چاہتے اور معافی مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں ایسے لوگوں کا حق تھا جو (ضرورت سے مجبور ہو کر) سوال کرتے تھے، یا جن پر کوئی آفت آپڑتی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک آیت سورۂ احزاب کی اور پڑھ لیجئے! ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ورسول کا حکم ماننے والے مرد اور ماننے والی عورتیں اور دل سے ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سدا سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور نفس کی غلط خواہشوں کے مقابلہ میں اللہ کے حکم پر مضبوطی سے جمے رہنے والے مرد اور جمے رہنے والی عورتیں اور عاجزی ومسکنت اختیار کرنے والے مرد اور اسی صفت کی عورتیں اور صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور ایسے ہی اس کو یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے ان سب بندوں اور بندیوں کے لئے رکھی ہے خاص بخشش اور بڑا اجر۔

یہ چند آیتیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن مجید نے خدا کی عبادت پر کتنا زور دیا ہے اور عبادت کے ذریعہ بندہ کیا کچھ پا سکتا ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیتوں میں خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے عبادت یا کثرتِ عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں سے بھی دو چار آیتیں یہاں پڑھ لیجئے۔

سورۂ حجر میں ارشاد ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ (الحجر: ۹۸ تا ۹۹)

ترجمہ: آپ اپنے پروردگار کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح وتقدیس میں مشغول رہئے اور اس کے حضور میں سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جایئے اور موت کی گھڑی تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے۔

اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ

الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (طٰہٰ:۱۳۰)

ترجمہ: یہ منکر لوگ جو تکلیف دہ باتیں کرتے رہتے ہیں، آپ ان پر صبر کیجئے اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہیے، صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے اور شام کو غروب آفتاب سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں بھی خدا کی تسبیح کیجئے اور دن کے حصوں میں بھی، شاید کہ آپ راضی ہوں۔

چونکہ نماز میں خاص عنصر اللہ کی حمد و تسبیح ہے یہاں تک کہ قیام، قعود، رکوع، سجود، غرض نماز کا کوئی حصہ بھی حمد و تسبیح سے خالی نہیں، اس لئے قرآن مجید کی بعض آیات میں حمد و تسبیح ہی کے عنوان سے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ اے پیغمبر! آپ صبح و شام اور دن و رات کے مختلف حصوں میں نماز پڑھنے کا اپنا طریقہ جاری رکھئے اور امید رکھئے کہ آپ کی دن رات کی اس عبادت گزاری کے وہ نتائج دنیا اور آخرت میں ظاہر ہوں گے کہ آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔

اور سورۂ مزمل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۴﴾ (المزمل:۱تا۴)

ترجمہ: اے کمبل پوش! کھڑے ہوا کرو (ہمارے حضور میں) رات کو (یعنی رات کو نماز میں مشغول رہا کرو) سوائے تھوڑے سے حصہ کے (یعنی رات کو بس تھوڑے سے حصہ میں آرام کر لیا کرو) آدھی رات (نماز میں گزارا کرو) یا اس میں سے تھوڑا کم کر دو یا اس پر اضافہ کر لو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھا کرو۔

سورۂ دہر میں فرمایا گیا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ (الدھر: ۲۵تا۲۶)

صبح و شام اپنے پروردگار کا نام لیا کیجئے اور اس کو یاد کیا کیجئے اور رات میں اس کے حضور سجدے کیا کیجئے اور اس کی تسبیح کیجئے رات کے بڑے حصے میں۔

ان آیتوں میں لفظوں کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ دن میں بھی اور خصوصیت سے صبح و شام اور رات کے اوقات میں آپ نماز اور اللہ کی حمد و تسبیح میں زیادہ مشغول رہا کریں۔

ان آیتوں میں بظاہر خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہی حکم بالواسطہ اور ثانوی درجہ میں آپ کی امت کو بھی ہے۔ آخر میں سورۂ کوثر اس سلسلہ میں اور پڑھ لیجئے:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ٪﴿۳﴾ (الکوثر: ۱ تا ۳)

ترجمہ: ہم نے آپ کو عطا کیا کوثر،[1] پس آپ نماز پڑھئے اپنے پروردگار کے لئے اور قربانی کیجئے، بلاشبہ آپ کے دشمن ہی بے نام ونشان ہوں گے۔

اس سورۃ میں یہ اشارہ کھلا ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت (نماز و قربانی) دنیا میں بھی سرفرازی دلاتی ہے بشرطیکہ حقیقی نماز اور حقیقی قربانی ہو، نماز اور قربانی کی صرف صورت نہ ہو۔

---

[1] "کوثر" کے اصل معنے خیر کثیر کے ہیں، اس کے وسیع مفہوم میں دنیا اور آخرت کی وہ ساری نعمتیں داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں، یا آپ کو عطا فرمائی جانے والی ہیں۔ میدان قیامت کا حوض کوثر اور جنت کی نہر کوثر جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے، وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

بندوں کی خدمت اور حسنِ سُلوک

قرآن مجید جس طرح خدا کے متعلق صحیح عقیدہ رکھنے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی عبادت کرنے کی زور و قوت کے ساتھ دعوت و تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ بندوں کے حقوق ادا کرنے اور علیٰ قدر مراتب ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بھی سخت تاکید کرتا ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات پر تو ان دونوں مطالبوں کو ایک ہی سلسلۂ بیان میں ایسے انداز سے ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مطالبہ بھی گویا توحید اور خدا کی عبادت کے مطالبہ کی طرح قرآن مجید کے اولین اور بنیادی مطالبات میں سے ہے۔

مثلاً سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النسآء:۳۶)

ترجمہ: اور عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور دوسرے قرابت داروں کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو) اور (اسی طرح) یتیموں، مسکینوں کے ساتھ بھی اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو اجنبی ہوں (جن سے کوئی رشتہ ناتا نہ ہو صرف پڑوس کا تعلق ہو) اور ان کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو) جن کا کہیں سنگ ساتھ ہو اور مسافروں پر دیسیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں اور تمہارے زیر دست ہوں۔

اس آیت میں خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ سب سے پہلے ماں باپ اور پھر قرابت داروں اور ہر طرح کے پڑوسیوں، سنگ ساتھ والوں اور یتیموں مسکینوں اور پر دیسیوں اور ماتحتوں کے ساتھ

حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۳ تا ۲۴)

ترجمہ: اور تیرے رب نے حتمی حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو "اف" بھی نہ کہو اور ان سے خفگی کی بات نہ کرو اور ان سے ادب و تمیز سے بولو اور خاکساری و نیاز مندی کے ساتھ ان کی اطاعت کرو اور ان کے حق میں خدا سے اس طرح دعا کرتے رہو کہ اے پرودگار! تو میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پالا، پرورش کی۔

اسی سلسلۂ بیان میں ایک آیت کے بعد ارشاد ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل: ۲۶)

ترجمہ: اور اپنے قرابت داروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور پردیسیوں، مسافروں کو بھی ان کا حق دو اور اللہ کا دیا ہوا مال فضولیات میں مت اڑاؤ۔

اور سورۂ روم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم: ۳۸)

ترجمہ: پس ادا کرو قرابت داروں کو ان کا حق اور (اسی طرح دو) مسکینوں حاجت مندوں کو اور پردیسیوں مسافروں کو (جو ان کا حق ہے۔) یہی (طریقہ) بہتر ہے ان بندوں کے لئے جو اللہ کو چاہتے ہیں (یعنی اس کی رضامندی کے طالب ہیں) اور یہی بندے فلاح یاب ہونے والے ہیں۔

مذکورہ بالا آیتوں میں ہمدردی اور اعانت کے مستحق کمزور طبقوں میں سے یتیموں، مسکینوں غلاموں، ماتحتوں اور مسافروں پردیسیوں کا ذکر آیا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کی اعانت و خدمت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بعض دوسری آیتوں میں اسیروں یعنی قیدیوں کے لئے بھی اسی قسم کی خدمت کی ترغیب دی گئی ہے۔ سورۂ دہر میں جنتیو

ں کے وہ اوصاف اور اعمال بیان کرتے ہوئے جن کے بدلہ میں ان کو جنت اور جنت کی نعمتیں ملیں گی، ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (الدھر: ۸)

ترجمہ: وہ بندگان خدا کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت کی بنا پر مسکینوں کو اور یتیموں کو اور قیدیوں کو۔

ان کمزور طبقوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے سلسلہ میں قرآن مجید کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جو بچہ باپ کی سرپرستی سے محروم ہو کر یتیم ہو گیا ہو، اس سے شفقت کا برتاؤ کرو اور جو کوئی بیچارہ لاچاری ناداری سے مجبور ہو کر تم سے سوال کرے اس کے ساتھ رحم دلی اور نرمی کا معاملہ کرو، اس کو کبھی نہ جھڑکو۔ ارشاد ہے:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ: ۹ تا ۱۰)

ترجمہ: پس جو یتیم ہو اسے مت ڈانٹو، مت دباؤ اور بیچارے مانگنے والے کو مت جھڑکو۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں والدین اور دوسرے اعزّہ واقارب اور یتامیٰ ومساکین اور مسافرین وسائلین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اعانت وخدمت کرنے کی جو تعلیم دی گئی ہے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں ہے۔ اگر بالفرض کسی مسلمان کے والدین یا اہل قرابت غیر مسلم ہوں یا اس کے سامنے کوئی غیر مسلم یتیم یا غیر مسلم مسکین یا غیر مسلم سائل یا غیر مسلم ضرورت مند پردیسی آئے تو قرآن مجید کا حکم اس مسلمان کو ان سب کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا اور اپنی استطاعت کے بقدر ان کی خدمت کرنے کا ہے۔

خاص کر والدین کے بارے میں تو قرآن مجید میں یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ بالفرض مشرک ہوں اور وہ اپنی مسلمان اولاد پر زور ڈالیں کہ وہ بھی اسلام اور توحید کو چھوڑ کر کفر وشرک اختیار کر لے تو مسلمان اولاد کا فرض ہے کہ ان کی یہ بات تو نہ مانے یعنی ان کے کہنے سے اسلام اور توحید کو تو نہ چھوڑے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہی کرتا رہے۔

سورۂ لقمان میں اولاد پر والدین کا حق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمان: ۱۵)

ترجمہ: اور اگر تمہارے ماں باپ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ (یعنی اللہ کے ساتھ) کسی ایسی ہستی کو شریک کرو جس کا تمہیں علم اور پتہ نہیں ہے (بلکہ وہ بالکل

بے حقیقت، محض فرضی اور وہمی ہے، جیسے مشرکوں کے سارے معبودوں کا حال ہے) تو تم انکی یہ بات تو نہ مانو (لیکن اس کے باوجود) تم دنیا میں ان کے ساتھ اچھا معاملہ اور برتاؤ جاری رکھو (اور ان کی خدمت کرتے رہو۔)

اہل وعیال

ماں باپ کے بعد انسان کا سب سے بڑا تعلق بیوی بچوں سے ہوتا ہے اور انسانوں کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو آرام ہی سے رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس بارے میں تو بہت سے لوگ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں اس پر زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے کہ اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان کا حق ادا کیا جائے۔

البتہ چونکہ بہت سے لوگوں سے اہل وعیال کی دینی اصلاح وتربیت کے بارے میں کوتاہی ہو جاتی ہے، اس لئے قرآن مجید نے اہل وعیال کے اس حق کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے کہ ان کو دیندار بنانے کی اور اللہ کی رضا کے راستے پر چلانے کی اسی طرح فکر اور کوشش کی جائے جس طرح کہ ہر صاحب ایمان کو اپنی جان دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہئے۔ سورۂ تحریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم: ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس (عذاب دینے کے لئے) وہ فرشتے مقرر ہیں جو بڑے سخت دل (بنائے گئے ہیں) اور بڑے مضبوط ہیں، اللہ نے ان کو جو حکم دے دیا ہے وہ (ذرا بھی) اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے اور جس کام کے لئے وہ مامور کئے گئے ہیں وہ اس کو پورا پورا انجام دیں گے۔

البتہ بیویوں کے معاملہ میں چونکہ بہت سوں سے کوتاہیاں ہو جاتی ہیں اس لئے ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں قرآن مجید نے خاص تاکید فرمائی ہے۔

سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ: ۲۸۸)

ترجمہ: اور عورتوں کے مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق

عورتوں پر ہیں دستور کے مطابق۔

اور سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النسآء:۱۹)

ترجمہ: اور ان کے ساتھ (یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ) دستور کے مطابق اچھے طریقے پر گزر بسر کرو۔

اگر اللہ کے کسی بندے کے بیوی بچے بدمزاجی یا بے دینی کی وجہ سے اس کے خلاف اور اسکو دکھ دینے والے ہوں اور اسکو ان کی طرف سے خطر ہو، تو قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ وہ انکے شر سے تو اپنے کو بچاتا رہے اور ان کی طرف سے ہوشیار رہے لیکن جہاں تک گنجائش ہو، انتقام اور سختی کی کوئی کاروائی نہ کرے، بلکہ معاف کرے اور نظر انداز کرتا رہے، انشاء اللہ یہ طرز عمل انکی اصلاح کا بھی باعث ہو گا۔

سورۂ تغابن میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التغابن:۱۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں پس تم ان کے شر سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو تو (تمہارے لئے بہتر اور خوش انجام ہو گا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

عام انسانوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک

بندوں کے حقوق کے سلسلہ میں ماں باپ، اہل وعیال، عزیزوں، پڑوسیوں اور یتیموں، مسکینو ں، اسیروں وغیرہ کمزور طبقوں کے حقوق اور ان کی خدمت وحُسن سلوک کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم وتاکید آپ پڑھ چکے۔ اب دیکھئے کہ عام انسانوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلو ک کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم کیا ہے۔

اس سلسلہ میں اوّلاً تو قرآن مجید نے جابجا یہ واضح کرکے کہ سارے انسان ایک ہی مکرم ومحترم جوڑے (حضرت آدم وحوا علیہما السلام) کی اولاد ہیں، پوری انسانی برادری کو اپنی اصل وفطرت کے لحاظ سے قابل احترام بنادیا ہے، پھر دوسری تمام مخلوقات کے مقابلہ میں انسان کو جو خاص علمی وعملی

صلاحیتیں اور طاقتیں بخشی گئی ہیں جن کے ذریعہ وہ اس پوری کائنات کو استعمال کر رہا ہے، اس کو بھی قرآن مجید میں پوری نسل انسانی کے لئے ایک خداوندی شرف واعزاز بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (بنی اسرائیل:۷۰)

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو ایک شرف واعزاز بخشا اور اس دنیا کے بحر وبر پر اس کو قابض اور متصرف بنادیا۔

اس فطری اور تکوینی شرف واعزاز کے علاوہ قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ وہ سب انسانوں سے اچھی بات کریں:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ: ۸۳)

ترجمہ: اور سب لوگوں سے اچھی بات کہو۔

اسی طرح علی الاطلاق سب کے ساتھ انصاف اور احسان کا حکم دیا گیا، ایمان والوں کو سنایا گیا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا (سب کے ساتھ)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ:۱۹۵)

ترجمہ: اور اچھا سلوک کرو (سب کے ساتھ،) اللہ اچھا سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر کوئی تمہارا دشمن ہو اور تمہارے ساتھ برائی سے پیش آتا ہو تو اس کے حق میں بھی قرآن مجید کا حکم ہے کہ جہاں تک ہوسکے تم اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کرو اور اس کی بدی کا جواب بھی نیکی ہی سے دو۔ ارشاد فرمایا:

لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (حم سجدہ: ۳۴)

ترجمہ: اچھا رویہ اور برا رویہ برابر نہیں (بلکہ اچھا رویہ نیکی ہے اور برا رویہ بدی ہے، لہٰذا تم کو چاہئے کہ) برائی کا جواب بھی تم نیکی ہی سے دو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ (المومنون:۹۶)

ترجمہ: تم برائی کا جواب بھی اچھے رویہ سے دو، ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ (تمہارے متعلق) کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے جو نیک بندے بدی کا جواب بھی نیکی سے دیں اور برائی کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھائی کریں وہ دوہرے ثواب اور دوہرے انعام کے مستحق ہیں۔ فرمایا گیا:

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (القصص: ۵۴)

ترجمہ: اللہ کے ان بندوں کو دوہرا اجر و ثواب دیا جائے گا، ان کے صبر کرنے کی وجہ سے اور بدی کا جواب نیکی سے دینے کی وجہ سے۔

عام انسانوں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کے بارے میں قرآنی تعلیم کی روح کو کچھ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اپنی فریب کاریوں اور خیانت کارانہ معاہدوں کے ذریعہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا کرتے تھے، ان کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا:

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (المائدہ: ۱۳)

ترجمہ: اور آپ پر برابر ان کی خیانتوں کے راز فاش ہوتے رہیں گے اور سوا چند کے ان کی دھوکہ بازیاں آئے دن آپ کے علم میں آتی رہیں گی پھر بھی آپ ان کو معاف کر دیا کریں اور ان کے قصور سے درگزر کیا کریں، دوسروں پر احسان کرنے والے بندے اللہ کو پیارے ہیں۔

اور یہ تو قرآن مجید کا عام منشور ہے جس کا ہر مسلمان مخاطب و مکلف ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی پورا انصاف کیا جائے اور کسی کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے اس کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ ارشاد ہے اور کس قدر زور اور تاکید کے ساتھ ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ: ۸)

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی ہرگز تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ بے انصافی کر بیٹھو، تم (دشمنوں کے ساتھ بھی) پورا پورا انصاف کرو، یہی قرین تقویٰ ہے۔

الغرض قرآن مجید میں جس طرح خدا کی عبادت اور اپنے ماں باپ اور اعزہ و اقارب کی خدمت اور یتیموں، مسکینوں، حاجت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے اسی طرح عام انسانوں حتیٰ کہ اپنے دشمنوں اور بدخواہوں کے ساتھ بھی انصاف اور حسن معاملت کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلامی برادری کے خاص حقوق

قرآن مجید نے خون اور نسب کے رشتوں کی طرح ایمان اور اسلام کو بھی ایک اہم اور مقدس روحانی رشتہ قرار دیا ہے۔ اس رشتہ کی رو سے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بتایا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۰)

ترجمہ: سارے مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

پھر اس روحانی اور ایمانی رشتہ کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کے کچھ خاص حقوق عائد کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان میں باہم شفقت اور ترحم ہو اور آپس میں ان کا معاملہ نرمی اور فروتنی کا ہو، ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ، خدمت گزار اور نیاز مند ہو۔ چنانچہ ایک جگہ اہل ایمان کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ:

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: وہ آپس میں ترحم اور شفقت کا معاملہ کرنے والے ہیں۔

اور دوسری جگہ ان کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (المائدہ: ۵۴)

ترجمہ: برادران ایمانی کے سامنے وہ نیاز مند اور اپنے کو نیچا رکھنے والے ہیں۔

اور جو چیزیں تعلقات کو خراب کرنے والی اور دلوں میں کدورت پیدا کرنے والی ہو سکتی ہیں، قرآن مجید نے مسلمانوں کے لئے سختی سے ان کی ممانعت فرمادی۔ مثلاً کسی کے ساتھ تمسخر کرنا، اس کا مذاق بنانا، ہنسی اڑانا، اس کو عیب لگانا، کسی برے اور مکروہ نام سے اس کو یاد کرنا، پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا، یا اس کے عیوب کا تجسس کرنا یا صرف قیاس وخیال کی بنا پر اور اسی طرح بغیر تحقیق کے کسی افواہی شہرت کی بنیاد پر کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا اور اس کے خلاف رائے قائم کر لینا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن میں لوگ زیادہ احتیاط نہیں کرتے۔ لیکن چونکہ ان باتوں سے دلوں میں رنجش اور کدورت پیدا ہوتی ہے اور تعلقات میں خرابی پڑتی ہے اس لئے قرآن مجید میں صراحت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہرگز ایسا نہ کرے اور اس معاملہ میں پوری احتیاط برتے۔ ارشاد فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ

عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات: ۱۱ تا ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو مردوں کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب ہے کہ (جن لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اللہ کے نزدیک) وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور اسی طرح نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب ہے کہ ان (مذاق اڑانے والیوں) سے وہی بہتر ہوں اور تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب بھی نہ لگاؤ، اور نہ برے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) بُرا ہے اور جو لوگ (اس تنبیہ کے بعد بھی ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں وہ بڑے ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعضے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس نہ کرو (اس کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ لگو) اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے؟ کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اور تمہیں اس سے کراہت اور گھن آئے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔

مسلمانوں کے باہمی حقوق کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ایک رہنمائی یہ بھی کی ہے کہ ہر مسلمان اپنی اچھی دعاؤں میں سب مسلمان بھائیوں کو بھی شریک کیا کرے۔ قرآن مجید کی تعلیم فرمائی ہوئی اکثر دعاؤں میں جمع کے صیغوں کے استعمال کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ قرآن مجید کی ایسی بیسیوں دعاؤں میں صرف دو چار دعائیں یہاں بھی پڑھ لیجئے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ: ۲۰۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں آخرت کے عذاب سے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران: ۸)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! نہ پھیر ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہمیں

ہدایت دی اور دے ہمیں رحمت اپنے پاس سے، بیشک تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (المومنون:۱۶)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المؤمنون:۱۰۹)

ترجمہ: اے پروردگار ہمارے! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو سب مہربانوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر:۱۰)

اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما اور ان سب بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے آگے گئے ایمان کے ساتھ اور نہ کر ہمارے دلوں میں کدورت ایمان والوں کے سا تھ، اے پروردگار! یقیناً تو بڑا مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اخلاقِ حَسَنہ

اخلاق حسنہ کی دعوت و تعلیم بھی قرآن مجید کا خاص الخاص موضوع ہے اور یہ بات صرف عقیدت مندانہ نہیں بلکہ خالص علمی اور تحقیقی بات بھی ہے کہ اخلاق کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم اتنی مکمل، اتنی جامع، ایسی معتدل اور انسانی فطرت کے اس قدر مطابق ہے کہ اگر انسان اس پر عامل ہو جائے اور اپنی زندگی کے اخلاقی پہلو کو قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم وہدایت کا پابند بنالے تو وہ اس زمین پر انسان کی صورت میں رحمت کا ایک فرشتہ ہو گا۔ اس کا مکمل نمونہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مشہور ارشاد ہے:

''کان خلقه القرآن'' (آپ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن مجید کی تعلیم ہے۔)

قرآنی دعوت و تعلیم کا یہ باب اتنا وسیع ہے کہ بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب اس باب پر لکھی جاسکتی ہے اس لئے یہاں اس کے خاص خاص ہی عنوانات پر مختصر کچھ لکھا جائے گا۔

صبر

قرآن مجید نے جن اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے، ان میں صبر کا خاص مقام ہے۔

لیکن ہماری اُردو زبان میں صبر کے معنے بڑے محدود ہو گئے ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ صبر کا مطلب بس یہ ہے کہ موت اور بیماری اور فقر و تنگدستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح سہہ لیا جائے کہ شور و فغاں اور شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو اور کوئی ظالم اگر ظلم کرے تو اس کا انتقام نہ لیا جائے اور نہ نالہ و فریاد کی جائے۔ مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنے اس سے بہت زیادہ وسیع اور عمیق ہیں۔ مختصر الفاظ میں اس کی حقیقت کو کچھ اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ: ''کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لئے (مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے یا دنیا میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے یا دوسروں کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے) صدموں، تکلیفوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے

پر چلتے رہنا صبر ہے"۔

صبر کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں پڑھئے! سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پڑھئے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:۱۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! (مشکلوں اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ (یہ بات ناقابل شک اور بالکل یقینی ہے) کہ اللہ (اور اس کی پوری مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر سے مدد حاصل کرنے کا مطلب سورۂ اعراف کی ان آیتوں سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جن میں مذکور ہے کہ جب فرعون اور اس کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کے سارے لڑکے قتل کئے جائیں اور لڑکیاں اور عورتیں باقی رکھی جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو تلقین فرمائی:

اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف: ۱۲۸)

ترجمہ: اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور صبر کو اپنا شعار بناؤ (یعنی مضبوطی سے حق پر جمے رہنے کا فیصلہ کر لو اور کمر کس لو، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کر کے دکھاتا ہے۔) ملک کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے، وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے ملک کا وارث بنا دیتا ہے۔

اس کے بعد سورۂ آل عمران کی آخری آیت پڑھئے جو گویا اس عظیم سورت کے دفتر ہدایت کا حرف آخر ہے۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آلعمران:۲۰۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر سے کام لو، ایک دوسرے کو صبر پر آمادہ کرو اور (راہ خدا میں جدوجہد کے لئے) مستعد اور کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرو (یعنی تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ) امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ حق اور نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے جب اس کو مسلسل مصائب اور نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور اپنی قربانیوں کا کوئی پھل وہ نہیں دیکھتا تو اس میں مایوسی آتی ہے اور اس کی ہمت ٹوٹنے لگتی ہے۔ ایسے موقعوں کے لئے قرآن مجید میں فرمایا

گیا ہے:

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (ھود: ۱۱۵)

ترجمہ: اور صبر کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا (دیر سویر ان کی نیکوکاری کا صلہ ضرور ملے گا)۔

اور سورۂ نحل میں صبر کے حکم کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ صبر کی صفت وہ دولت عظمیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (النحل: ۱۲۷)

ترجمہ: اور صبر اختیار کرو اور (یاد رکھو کہ) تمہارا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی مدد اور توفیق سے ہو گا۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق بندہ کیسے حاصل کرے؟ اس کا جواب قرآن مجید ہی سے یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزم وارادہ کی جو طاقت بندہ کی فطرت میں ودیعت رکھی ہے وہ ایک طرف تو اس سے کام لے یعنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ثابت قدم رہنے کا ارادہ کرے اور اس کے لئے اپنی خداداد ہمت کو استعمال کرے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے صبر اور ثابت قدمی کی دعا کرے۔

سورۂ بقرہ میں اگلے دور کی ایک جماعت مجاہدین کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کا سابقہ ایک بڑے طاقتور اور جرّار فوج رکھنے والے دشمن (جالوت) سے پڑا تو کچھ کمزور دل اور کمزور ایمان رکھنے والے تو جالوت اور اس کے لشکروں کو دیکھتے ہی ہمت ہار بیٹھے اور انہوں نے کہا کہ ان سے ٹکر لینے کی ہم میں طاقت نہیں (لا طاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده) لیکن جن کے دلوں میں ایمان کی طاقت تھی انہوں نے کہا کہ فتح وشکست کا تعلق صرف قلت وکثرت ہی سے نہیں بلکہ تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ: ۲۴۹)

ترجمہ: قلیل تعداد رکھنے والے کتنے ہی گروہ اپنے مقابل کے کثیر التعداد گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مدد سے غالب ہوئے ہیں اور اللہ اور اس کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

بہر حال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ کے ان بندوں نے اپنے دلوں کو مضبوط کیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے صبر وثبات اور فتح ونصرت کی دعا مانگی اور عرض کیا:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ: ۲۵۰)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر سے سرشار کردے اور ہمارے قدم جمادے اور اس کافر گروہ پر فتح حاصل کرنے میں ہماری مدد فرما۔

پھر اس معرکہ کا انجام قرآن مجید میں اس دعا کے بعد ہی متصلاً ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرۃ: ۲۵۱)

ترجمہ: پھر یہ ہوا کہ اللہ کی مدد اور اس کے حکم سے ایمان رکھنے والے اس قلیل التعداد گروہ نے دشمن کی کثیر التعداد فوج کو شکست دے دی۔

اس پوری روداد سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ بندہ خود عزم وہمت سے کام لے اور پورے اخلاص والحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق اور اس کا فیضان مانگے۔ جو بندہ ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی دولت اور طاقت عطا فرمائے گا۔

صبر والوں کا انجام اور مقام

اگرچہ مندرجہ بالا اکثر آیتوں میں بھی صبر کے حکم اور اس کی تلقین کے ساتھ اس کے اجر اور اس کی خوش انجامیوں کی طرف اشارات موجود ہیں تاہم دو تین آیتیں خاص صبر کے اجر وانجام ہی کے متعلق اور بھی پڑھ لیجئے۔

سورۂ رعد میں ایک جگہ ان بندوں کے خاص اوصاف واخلاق کا ذکر کیا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہوگا، اس سلسلۂ بیان میں ان بندوں کا ایک خاص حال یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (الرعد: ۲۲)

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی رضا طلبی میں (ہر قسم کی ناگواریوں اور سختیوں پر) صبر کیا۔

پھر ان کا اُخروی انجام بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۳ تا ۲۴)

ترجمہ: اور وہاں (جنت میں) ان کے گھر کے ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس ان کے اکرام کے لئے آئیں گے اور کہیں گے کہ سلام ہو تم پر بہ سبب اس کے کہ تم نے دنیا

میں صبر کو اپنا شعار بنایا، کیا ہی اچھا ہے یہ عاقبت کا ٹھکانا۔

اور سورۂ آل عمران میں جنتی بندوں کے اوصاف واخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے ان کی صفت صبر ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ (آل: عمران ۱۷)

ترجمہ: صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے۔

اسی طرح سورۂ احزاب میں جہاں مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کے ایمانی اوصاف واخلاق کی بنا پر مغفرت ورحمت کی بشارت سنائی گئی ہے وہاں بھی صبر کی صفت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ (الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ: صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔

اس کے بعد اسی قسم کی ان چند اور اخلاقی صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہے) اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔

ان ہی چند آیات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآنی دعوت وتعلیم میں صبر کا کیا مقام ہے اور صابرین کے لئے دنیا اور آخرت ہی میں کیسی کیسی خوش انجامیوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے۔

سچائی اور راست بازی

قرآن مجید سے جن اخلاق کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے ان میں سے ایک سچائی اور راست بازی بھی ہے۔ پھر قرآن مجید ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صداقت وسچائی کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ زبان سے غلط اور خلاف واقعہ بات نہ کہی جائے اور سچ بولا جائے بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دل کی سچائی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔ دل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا نفاق اور کوئی دغا وفریب نہ ہو اور عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو عقیدہ اور قول ہو وہی عمل بھی ہو اور ظاہر وباطن میں پوری یکسانیت ہو۔ جن بندوں کا یہ حال ہو وہی قرآن مجید کی اصطلاح میں صادق ہیں اور اگر اس صفت میں کامل ہوں تو صدیق ہیں اور قرآن مجید

کی دعوت و تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہئے اور ایسوں ہی کے ساتھ رہنا چاہئے تاکہ "صحبت صالح ترا صالح کنند" کے فطری اصول پر ان کی ہم رنگی نصیب ہو۔ سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

صدق اور سچائی کے معنے کی اس وسعت پر سورۂ بقرہ کی ان آیات سے بھی روشنی پڑتی ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں اور اصلی نیکی انہی کی نیکی ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت اور دوسرے ایمانی حقائق پر ایمان ہو اور اس ایمان کی وجہ سے وہ اپنا کمایا ہوا مال اللہ تعالیٰ کے حاجت مند بندوں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ پر صرف کرتے ہوں اور عہد کے پورا کرنے والے اور حق و صداقت کی راہ میں پڑنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں کو صبر و ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرنے والے ہوں۔ ان بندوں کے یہ تمام اوصاف بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرما یا گیا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرۃ: ۱۷۷)

ترجمہ: یہی بندے ہیں جو سچے ہیں اور یہی ہیں متقی پرہیز گار۔

اسی طرح سورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات: ۱۵)

ترجمہ: اصل مؤمن بندے تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال سے پوری جد و جہد کی، بس یہی بندے ہیں سچے۔

اور اسی وجہ سے کہ صدق اور سچائی کے معنے میں دل کی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔ سورۂ احزاب کی ایک آیت میں صادقین کے مقابلہ میں منافقین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ (الاحزاب: ۲۴)

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا عوض اور صلہ دے اور سزا دے منافقین کو اگر چاہے۔

صدق و سچائی کے یہ معنے اور اس کی یہ وسعت اور گہرائی معلوم ہونے کے بعد خود بخود یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جن بندوں کو ایمان کے ساتھ صدق و سچائی کی یہ صفت پوری طرح نصیب ہو،

وہ اللہ کے کامل ترین بندے ہیں اور نبیوں کے سوا ان سے اونچا مقام کسی کا نہیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں جہاں اہل ایمان کے ان چار طبقوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب اور مقبولیت و محبوبیت کا خاص مقام حاصل ہے اور جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے وہاں نبیوں کے بعد دوسرے نمبر پر صدیقین ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النسآء: ۶۹)

ترجمہ: اور جو اللہ تعالیٰ ورسول کی اطاعت و فرمانبرداری کریں پس وہ (جنت میں) اللہ کے ان خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کی خصوصی نوازش ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہیں۔

صداقت و صدیقیت کی صفت کی بلند مقامی کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی تعریف میں فرمایا گیا ہے کہ ان میں صدیقیت کی صفت موجود تھی۔ سورۂ مریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (مریم: ۴۱)

ترجمہ: اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا حال ذکر کرو، وہ تھے صدیق، نبی۔

اسی طرح اسی سورۂ مریم کے اس سے اگلے رکوع میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بھی بالکل یہی الفاظ فرمائے گئے ہیں اور اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی شان میں بھی بڑے سے بڑا تعریفی کلمہ قرآن مجید یہ میں فرمایا گیا ہے: "اُمُّهٗ صدیقةٌ" (حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ مریم علیہا السلام "صدیقہ" تھیں)

نیز قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانہ کے اس ساتھی نے جو ان سے بہت متاثر اور ان کا بڑا معتقد ہو گیا تھا، اُن کو صدیق ہی کی صفت سے پکارا اور کہا:

''يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ'' (اے بڑے صادق وراست باز یوسف!)

پھر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں صدق اور سچائی کو اللہ تعالیٰ کی بھی صفت بتایا گیا ہے بلکہ فرمایا گیا ہے کہ وہ سب سے بڑا سچا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (النسآء: ۱۲۲)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ کون سچا ہو سکتا ہے قول میں؟ (کوئی بھی نہیں)

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (النسآء: ۸۷)

ترجمہ: اور کون اللہ سے زیادہ سچا ہو سکتا ہے بات میں؟ (کوئی بھی نہیں)

صدق اور سچائی کی صفت کی یہ عظمت اور اہمیت معلوم ہو جانے کے بعد خود ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس صفت کا کتنا بڑا درجہ ہے اور اس کا کیسا عظیم صلہ ملنے والا ہے، تاہم قرآن مجید کی چند آیتیں اس سلسلے میں بھی پڑھ لیجئے۔

ابھی صبر کے بیان میں سورۂ آل عمران کی وہ آیت ذکر کی جا چکی ہے جس میں جنتی بندوں کے اوصاف واخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے ان کی صفت صبر اور صدق ہی کا ذکر کیا گیا ہے:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ (آل عمران: ۱۸)

ترجمہ: صبر کرنے والے، سچے اور راست باز اور اللہ کے فرمانبردار بندے۔

اور سورۂ احزاب میں صاحب ایمان بندوں اور بندیوں کے لئے جن صفات پر اللہ کی خاص مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے، ان میں ایمان واسلام اور اللہ کی فرمانبرداری کے بعد سب سے پہلے ان کی صفت صداقت اور سچائی ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ (الاحزاب ۳۵)

ترجمہ: اسلام وایمان لانے والے بندے اور بندیاں اور اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے بندے اور بندیاں اور صدق وسچائی کی صفت رکھنے والے بندے اور بندیاں۔

آگے ان کے چند اوصاف بیان فرمانے کے بعد ان کو بشارت سنائی گئی ہے کہ:

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہے) اور اجر عظیم تیار کر کے رکھا ہے۔

اور سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں قیامت کے دن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (المائدہ: ۱۱۹)

ترجمہ: یہ وہ دن ہے کہ نفع دے گا صادقین یعنی سچوں کو ان کا صدق اور ان کی راست بازی، ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کا اللہ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے خوش، یہ بڑی عظیم الشان کامیابی ہے۔

قرآن مجید نے صادقین کو مغفرت وجنت اور اجر عظیم اور رضائے الٰہی کی یہ روح پرور بشارتیں سنا کر دراصل ایک خاص انداز سے صدق وسچائی کی نہایت موثر دعوت اور دلکش ترغیب دی ہے۔

وفائے عہد

عہد کا پورا کرنا بھی دراصل صدق اور سچائی ہی کی ایک خاص شکل ہے بلکہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر تو اس کے لئے صدق ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳)

ایمان والوں میں کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس میں وہ سچے اترے۔

اس آیت میں وفائے عہد کو صدق ہی کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ صدق ہی کی ایک خاص قسم ہے۔ لیکن قرآن مجید میں چونکہ اس کا مطالبہ وفائے عہد اور وفائے عقد کے مستقل عنوان سے کیا گیا ہے اس لئے ہم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ کے قرآن مجید کے ارشادات کو مستقل عنوان کے ذیل میں ذکر کریں۔

سورۂ مائدہ کی سب سے پہلی آیت جس سے یہ سورت شروع ہوتی ہے سنئے! ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ:۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے جو عہد، معاہدے اور جو معاملے ہوں ان کو پورا کرو۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (بنی اسرائیل:۳۴)

ترجمہ: عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی۔

وفائے عہد کی اس صریح دعوت وتعلیم اور اس طرح کے سیدھے اور براہ راست مطالبے کے علاوہ اس کی ترغیب قرآن مجید میں اس طرح بھی دی گئی ہے کہ عہد کے پورا کرنے والوں کو جابجا جنت کی اور اخروی فوز وفلاح کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی بشارت سنائی گئی ہے۔

سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی اُن آیات کا تذکرہ ابھی اُوپر صدق کے بیان میں ہو چکا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور متقی بندوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ وہاں ایک خاص وصف

ان کا یہ بھی بیان ہوا ہے:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (البقرۃ: ۱۷۷)

ترجمہ: اور وہ بندے جو پورا کرنے والے ہیں اپنا عہد جب وہ عہد کریں۔

اسی طرح سورۂ مؤمنون کے شروع میں جہاں فلاح پانے والے اہل ایمان کے اوصاف واخلاق بیان کئے گئے ہیں وہاں ایک خاص وصف ان کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون: ۸)

ترجمہ: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔

اور سورۂ معارج میں جہاں جنتی مسلمانوں کے اوصاف کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی ان کی اس صفت کو بالکل انہیں الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (المعارج: ۳۲)

قرآن مجید نے وفائے عہد کی عظمت کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح بھی ظاہر کیا ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی صفت بتایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (التوبہ: ۱۱۱)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے؟

اور دوسری جگہ منفی انداز میں فرمایا:

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الروم: ۶)

ترجمہ: اللہ کا وعدہ ہوا ہے، اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اور ایک اور جگہ تاکید کے صیغہ کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الحج: ۴۷)

ترجمہ: اور اللہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔

اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد: ۳۱)

ترجمہ: یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا، جو اس کا وعدہ ہے ضرور پورا ہو گا۔

ان آیتوں کا مفاد یہی ہے کہ وفائے عہد اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہ اپنے ہر عہد اور ہر وعدہ کا پورا کرنے والا ہے، ظاہر ہے کہ اس میں بندوں کے لئے اس کی کس قدر موثر اور دلکش ترغیب ہے کہ وہ بھی عہد کو پورا کیا کریں اور عہد شکنی سے بچیں۔

امانت

امانت بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص شکل ہے۔ اردو محاورہ میں تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ کسی نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو اس میں کوئی خیانت اور کوئی بددیانتی نہ کی جائے اور اس شخص کے مطالبہ پر یا یوں ہی وہ جوں کی توں واپس کر دی جائے اور یہ بھی بلاشبہ ایک اخلاقی نیکی ہے۔ لیکن عربی زبان اور خاص کر قرآنی محاورہ میں امانت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے اور تمام حقوق و فرائض کا دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا، ہر قابل لحاظ بات کا لحاظ رکھنا اس میں داخل ہے۔ امانت کے مفہوم کی اس وسعت کو ذہن میں رکھ کر اس کے متعلق قرآن مجید کی آیات پڑھئے! سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا (النسآء: ۵۸)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ (تمہارے پاس اور تمہارے ذمہ) جن کی امانتیں ہیں ان کو امانتیں ادا کرو۔

پس اس آیت کی رو سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کے پاس کسی شخص کی کوئی بھی امانت ہو یا کسی کا مالی یا غیر مالی کوئی حق ہو تو اس کو پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرے اور اس کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی اور خیانت نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کسی معاملہ میں اس سے مشورہ لے تو پوری خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے۔ اسی طرح اگر کسی کا کوئی راز معلوم ہو جائے تو اس کو بھی امانت ہی سمجھے اور اس کو افشاں نہ کرے۔ الغرض ادائے امانت کے اس قرآنی حکم میں اس طرح کی تمام صورتیں داخل ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ادائے امانت کے اس حکم کے علاوہ اس کی ترغیب اس طرح بھی دی گئی ہے کہ امانتیں ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والوں کو فلاح یاب اور جنتی بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مؤمنون اور سورۂ معارج کے پہلے رکوع میں فلاح پانے والوں اور جنت میں جانے والوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَعَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ (المومنون: ۸، المعارج ۳۲)

ترجمہ: اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس وصف امانت کی عظمت کو اس طرح بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کو اللہ کے مقدس رسولوں اور اس کے مقرب ترین فرشتہ جبرائیل ◆ کی خاص صفت بتایا گیا ہے۔ سورۂ

شعراء میں متعدد پیغمبروں کے تذکرے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی امتوں سے کہا:

اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾ (الشعراء:۱۰۷تا۱۰۸)

ترجمہ: میں تمہارے لئے اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں، (میرا خاص پیغام یہ ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرے لائے ہوئے احکام کی فرمانبرداری کرو۔

اور قرآن مجید کے بارے میں اسی سورۂ شعراء میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ (الشعراء: ۱۹۳)

ترجمہ: لے کر اُترا ہے اس کو روح الامین (یعنی اللہ کا خاص امانت دار فرشتہ جبرائیل علیہ السلام)۔

پس اللہ کے جن بندوں کی یہ چاہت اور آرزو ہو کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں اور اس کے مقرب فرشتوں سے ان کو کوئی نسبت حاصل ہو اور ان کے پاکیزہ اوصاف اور اخلاق میں ان کا کوئی حصہ ہو تو انہیں چاہئے کہ وہ امانت کے وصف کو اپنائیں اور جس کا جو حق ان کے ذمہ ہو اور جو ان کی ڈیوٹی ہو اس کو پوری امانت داری اور دیانت داری کے ساتھ ادا کریں۔

عدل وانصاف

قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، ان میں ایک عدل وانصاف بھی ہے۔ یہ بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں وہ خدا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ واقعہ میں مستحق ہے۔ اسی عدل وانصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے۔ جس قوم اور جس سماج میں عدل وانصاف نہ ہو وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گی اور دنیا میں بھی اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔ قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم میں عدل وانصاف کو جو خاص درجہ اور مقام دیا ہے اس کا اندازہ سورۂ حدید کی ایک آیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ ارشاد ہے:

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ (الحدید:۲۵)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسول بھیجے کھلے کھلے احکام دے کر اور اُتاریں ہم نے ان کے ساتھ (ہدایت کی) کتابیں اور عدل وانصاف کا فرمان، تاکہ لوگ اپنے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں۔

اس آیت میں "المیزان" سے مراد عدل وانصاف کے احکام و قوانین ہیں، اس بنا پر آیت کا

مفاد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ساتھ جس طرح مختلف صحیفے اتارے اسی طرح عدل وانصاف کے فرامین اور احکام و قوانین بھی اتارے تاکہ اس کے بندے ان صحیفوں کی روشنی میں اس کی بندگی کے راستے پر چلیں اور عدل وانصاف کے فرامین کی رہنمائی میں آپس میں عدل وانصاف کا برتاؤ کریں۔ الغرض اس آیت میں "المیزان" یعنی عدل انصاف کا ذکر جس طرح "الکتاب" کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں عدل وانصاف کی کتنی غیر معمولی اہمیت ہے۔

قرآن میں ایک دوسری جگہ بھی اللہ کی کتاب کے ساتھ عدل وانصاف کے ایک فرمان کا ذکر اسی طرح کیا گیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے:

وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ (الشوریٰ:۱۵)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ (ان یہودیوں اور عیسائیوں سے) کہہ دیجئے کہ میں ایمان لایا ہوں اس مقدس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے اور مجھے اس کا فرمان ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا بھی مالک ورب ہے اور تمہارا بھی۔

اس آیت میں بھی عدل وانصاف کے فرمان کا ذکر جس طرح ایمان بالکتاب کے ساتھ کیا گیا ہے وہ قرآن مجید کے اشارہ شناسوں کو یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ قرآنی دعوت و تعلیم میں عدل وانصاف کی کتنی اہمیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ نحل میں جہاں ایمان والوں کو بہت سے اہم اخلاقی احکام دیئے گئے ہیں وہاں سب سے پہلا حکم انصاف ہی کا دیا گیا ہے۔ وہ رکوع شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کا اور اچھا سلوک کرنے کا۔

اور سورۂ انعام میں جہاں اللہ تعالیٰ کے اہم اوامر ونواہی کو یکجا بیان کیا گیا ہے وہاں بھی عدل وانصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (الانعام:۱۵۲)

ترجمہ: جب (کسی نزاعی معاملہ میں) تمہیں کچھ کہنا یا فیصلہ دینا ہو تو پورا انصاف کرو، اگرچہ (فریق معاملہ) تمہارا کوئی قرابت دار ہو۔

سورۂ نساء کی ایک آیت میں اور زیادہ وضاحت و تفصیل سے فرمایا گیا ہے کہ ایمان والوں کا

فرض ہے کہ وہ بے لاگ انصاف کرنے والے اور خدا کے لئے سچی گواہی دینے والے بنیں اگرچہ اس سے خود ان کو یا ان کے ماں باپ یا اور قرابت داروں کو نقصان پہنچے۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء:۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ خوب انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کے حامی اور اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے اگرچہ (وہ انصاف اور وہ گواہی) تمہارے ہی خلاف پڑے یا تمہارے ماں باپ اور دوسرے اقرباء کے خلاف پڑے، اگر فریق معاملہ دولت مند ہیں یا محتاج (دونوں صورتوں میں) اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، پس تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو، اگر تم (کسی کی قرابت یا امیری غریبی کے لحاظ سے فیصلے میں یا گواہی میں) لاگ لپیٹ یا اینچ پینچ کی بات کرو گے یا خدا لگتی بات کہنے سے پہلو تہی کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح خبر دار ہے۔

عدل وانصاف کے حکم کے بارے میں یہ آیت کتنی جامع اور کیسی محکم اور واضح ہے، فرمایا گیا ہے کہ معاملات میں عدل وانصاف کو اور سچی خدا لگتی بات کہنے کو اپنا اصول اور نصب العین بنالو اور پوری دیانت داری اور للّٰہیت کے ساتھ اس فرض کو ادا کرو، خواہ اس سے خود تم کو یا تمہارے اعزاء واقرباء کو کتنا ہی نقصان پہنچے لیکن اللہ کے مقابلہ میں سچائی اور انصاف کے معاملہ میں کسی کی جانب داری نہ کرو، نہ کسی امیر کی امیری کی وجہ سے اس کی طرف داری کرو اور نہ کسی غریب کی غربت وناداری پر ترس کھا کر اس کی بیجا حمایت کرو، انصاف اور سچائی سب سے مقدم ہے، غریبوں کی غربت کو بھی اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ دیکھنے والا ہے اور وہی سب کا حقیقی والی اور کارساز ہے۔ آخر میں یہ بھی فرمایا کہ کسی ایک فریق کی یا دونوں فریقوں کی ناراضگی سے بچنے کے لئے بات لگی لپٹی اور اینچ پینچ والی بھی نہ کہی جائے اور فیصلہ اور گواہی سے پہلو تہی بھی نہ کی جائے، یہ دونوں باتیں بھی عدل وانصاف کے خلاف اور گناہ ہیں۔

آخر میں ایک آیت سورۂ مائدہ کی اور پڑھ لیجئے جس میں عدل وانصاف کے حکم کے ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی گئی ہے کہ اگر کچھ لوگ تمہارے دشمن اور بدخواہ ہوں تب بھی ان کے ساتھ تم انصاف ہی کرو۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ کھڑے ہونے والے، اللہ کے لئے کہنے والے عدل وانصاف کے ساتھ خدا لگتی بات اور لوگوں کی عدوات وبد خواہی تم کو اس گناہ کے ارتکاب پر آمادہ نہ کرے (یعنی کسی کی دشمنی سے متاثر ہو کر تم ایسے نہ ہو جاؤ) کہ ان کے ساتھ بے انصافی کرنے لگو، (تم ہر حال میں) انصاف ہی کرتے رہو، یہی طرز عمل قرین تقویٰ ہے۔

اُوپر کی آیتوں میں یہ تاکید فرمائی گئی تھی کہ اپنے ذاتی نفع ونقصان کے خیال سے یا رشتہ اور قرابت کی وجہ سے یا کسی کی امیری کے لحاظ سے یا کسی کی غربت پر ترس کھا کر اسے نفع پہنچانے کی نیت سے کوئی بے انصافی اور جانبداری نہ کی جائے اور بات سچی اور خدا لگتی کہی جائے۔

اب سورۂ مائدہ کی اس آیت میں یہ فرمایا گیا کہ کسی دشمن کی دشمنی کی وجہ سے بھی اس کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے بلکہ اس کی دشمنی اور بدخواہی کے باوجود معاملات میں اس کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے اور کسی معاملہ میں اگر وہ برسر حق ہو تو اس کی حمایت کی جائے اور اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے۔ یہ ہے قرآن مجید کی دعوت وتعلیم عدل وانصاف کے باب میں۔

کاش! اگر مسلمانوں میں یہی ایک بات موجود ہوتی تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کا انتظام آج بھی انہی کے ہاتھوں میں دیتا اور مصیبت زدہ دنیا انہی کو سربراہی کے لئے منتخب کرتی۔

سماحت وسخاوت

جن اخلاقی نیکیوں پر قرآن مجید میں خاص طور سے زور دیا گیا ہے ان میں سے ایک سماحت وسخاوت بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو جو دولت وقوت اور جو نعمت اس دنیا میں دی ہے وہ اس سے صرف خود ہی فائدہ نہ اٹھائے بلکہ اللہ کے دوسرے بندوں پر بھی اس کو خرچ کرے اور اس سے ان کو فائدہ پہنچائے۔ اس کا دائرہ ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہے اور بندگان خدا کی خدمت واعانت کی تمام صورتیں اس عنوان کے تحت آجاتی ہیں۔ دوسرے ضرورت مندوں پر اپنی دولت خرچ کرنا، اپنے علم وفن اور اپنی قابلیت سے ان کی کوئی خدمت کرنا خود تکلیف اٹھا کے ان کے کا

م کر دینا اور جس مدد کے وہ محتاج ہوں اپنے وسائل سے ان کی وہ مدد کر دینا، یہ سب شکلیں سماحت وسخاوت ہی کی شاخیں ہیں اور قرآن مجید نے اس کو بنیادی نیکی قرار دے کر مختلف عنوانوں سے اس کی ترغیب دی ہے۔ سورۂ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں (جس کو قرآن مجید کا تمہیدی حصہ کہنا صحیح ہے) قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھا کر فلاح یاب ہونے والے گروہ کے جو بنیادی اوصاف ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ: ۳)

ترجمہ: اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں دوسرے بندوں پر بھی) خرچ کرتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مال و دولت کے علاوہ جو خداداد قوت وطاقت، قابلیت اور محنت وغیرہ اللہ کے بندوں کی نفع رسانی کے لئے خرچ کی جائے، وہ سب بھی اس میں داخل ہے۔ پھر اسی سورۂ بقرہ کے آخری حصہ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (البقرہ: ۲۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں دوسروں پر بھی) خرچ کرو قبل اس کے کہ (قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کسی یار کی یاری اور نہ کسی کی سفارش کام آئے گی۔

اور تین رکوع کے بعد اسی سورۂ بقرہ میں راہ خدا میں اپنی دولت وطاقت وغیرہ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کی نافعیت اور اس کے اجر وثواب کے بارے میں فرمایا گیا:

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ: ۲۷۲)

ترجمہ: اور جو اچھی چیز تم (اللہ کے بندوں پر) خرچ کرو گے اس کا نفع اور ثواب تم ہی کو پہنچے گا اور تمہارا خرچ کرنا بوجہ اللہ ہی ہونا چاہئے اور جو اچھی چیز تم راہ خدا میں صرف کرو گے تم کو اس کا پورا پورا صلہ ملے گا اور تمہاری کوئی حق تلفی نہ ہوگی۔

ایک دو آیتوں کے بعد پھر ارشاد ہوا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ: ۲۷۴)

ترجمہ: جو بندے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں دوسروں پر) اپنا سرمایہ رات میں اور دن میں، خفیہ اور علانیہ، پس ان کے واسطے ان کے رب کے ہاں (جنت میں) ان کا اجر ہے (جو اس کریم رب کی شان کے لائق ہے) اور (ان کا حال یہ ہو گا کہ) نہ انہیں کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

راہ خدا میں اللہ کے دوسرے بندوں پر اپنی چیزیں صرف کرنے کی ترغیب کے سلسلہ میں ایک بات قرآن مجید نے یہ بھی کہی ہے کہ اس راہ میں خرچ کرنے والا جتنا خرچ کرے گا اللہ کی طرف سے اس کا سیکڑوں گنا اس کو دیا جائے گا۔ اس لئے اس راہ میں خرچ کرنا گویا ایک انتہائی نفع بخش تجارت اور ایک ایسی کھیتی ہے جس سے ایک ایک دانہ کے عوض سیکڑوں ہزاروں دانے کاشتکار کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ: ۲۶۱)

ترجمہ: جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان (کے اس مال) کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں، ان میں سے ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہے (اس سے اور زیادہ بھی) بڑھاتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب کے لئے ایک نہایت مؤثر انداز قرآن مجید میں یہ بھی استعمال کیا گیا ہے کہ اس مد میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۂ مزمل میں ارشاد ہوا ہے:

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (المزمل: ۲۰)

ترجمہ: اور اللہ کو اچھا قرض دو (یعنی چیز بھی اچھی ہو اور نیت بھی اچھی ہو)۔

اور اس سے بھی زیادہ دلکش انداز میں سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (البقرہ: ۲۴۵)

کون وہ بندہ ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، پھر اللہ (اس کے بدلہ میں) اس کو بہت گنا بڑھا کر دے۔

اسی طرح سورۂ حدید میں فرمایا گیا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ (الحدید: ۱۱)

ترجمہ: کون ایسا بندہ ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ پھر اللہ اس کو اس کے واسطے بڑھا دے اور اس کے واسطے کریمانہ اجر ہے۔

اور سورۂ تغابن میں ارشاد ہوا ہے:

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (التغابن:۱۷)

ترجمہ: اگر تم اللہ کو قرض حسن دو گے تو اللہ اس کو تمہارے لئے خوب بڑھائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑا قدر دان اور صاحب حلم ہے۔

اس نیکی کی ترغیب کے لئے یہ "قرض حسن" دینے کی تعبیر ظاہر ہے کہ محض بندہ نوازی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو "غنی عن العٰلمین" ہے۔ اس کی پاک ذات قرضہ لینے دینے اور اس قسم کے ہر معاملہ اور کاروبار سے وراء الوراء ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک ہدایت اور تعلیم یہ بھی ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر اچھی اور مرغوب و محبوب چیز خرچ کی جائے، ایسا نہ ہو کہ جب کوئی چیز اپنے لئے ناقابل استعمال، ناکارہ اور بے قیمت ہو جائے تو اس کو اٹھا کر اللہ کی راہ میں دے دیا جائے۔ سورۂ بقرہ کے آخر میں جہاں راہ خدا میں خرچ کرنے کی بار بار ترغیب دی گئی ہے وہیں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۡ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (البقرہ: ۲۶۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی کمائی میں سے اور زمین سے ہماری نکالی ہوئی پیداوار میں سے اچھی عمدہ چیزیں (ہماری راہ میں) خرچ کرو اور ایسا نہ ہو کہ بالقصد اور سوچ سمجھ کے ردی اور خراب چیزیں اس میں سے (اس راہ میں) خرچ کرو اور حال یہ ہے کہ (اگر تمہیں کوئی ایسی ردی چیز دے تو) نہیں ہو تم اس کو لینے والے، الّا یہ کہ تم اس میں چشم پوشی سے کام لو۔

اور سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (آل عمران: ۹۲)

ترجمہ: ہر گز تم نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک تم (راہ خدا میں) اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب اور عزیز ہے۔ اور تم جو چیز بھی (اچھی یا بری) خرچ کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ کو اس کا خوب علم ہے۔

اس سلسلہ میں ایک خاص ہدایت یہ بھی دی گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر جو کچھ بھی خرچ کیا جائے اور ان کی جو بھی خدمت اور مدد کی جائے اس کی غایت اور اس کا مقصد بس رضائے الٰہی ہونا چاہئے۔

سورۂ بقرہ کے ۳۷ویں رکوع کی وہ آیت اُوپر نقل ہو چکی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے :

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (البقرہ: ۲۷۲)

ترجمہ: اور نہیں خرچ کرتے ہو تم (اے اہل ایمان!) مگر صرف رضائے الٰہی کی طلب میں۔

مطلب یہ ہے کہ مؤمنین کی شان یہی ہے کہ اس طرح کے کام وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کے داعیہ ہی سے کریں، اس کے سوا ان کی کوئی غرض نہ ہو۔ اور سورۂ لیل میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا جو پرہیز گار بندہ اپنا مال (اس کے دوسرے بندوں پر) صرف اس کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے اور رضائے الٰہی کے سوا اس سے اس کا کوئی مقصد نہیں ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہو جائے گی اور دوزخ کے عذاب سے بھی وہ بالکل محفوظ رہے گا۔ ارشاد ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ﴿۱۸﴾ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ۧ﴿۲۱﴾ (اللیل: ۱۷ تا ۲۱)

ترجمہ: اور اس آتش دوزخ سے وہ پرہیز گار بندہ دور رکھا جائے گا جو (اپنا مال اللہ کے لئے اس کے دوسرے بندوں کو) اس لئے دیتا ہے کہ اس عمل کے ذریعہ اس کو پاکیزگی حاصل ہو اور یہ بات نہیں ہے کہ اس پر کسی کا احسان ہو جس کا بدلہ دیا جائے، بلکہ اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا طلبی ہی کے لئے دیتا ہو۔ اور بلاشبہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں ایک اہم ہدایت قرآن مجید میں یہ بھی دی گئی ہے کہ اللہ کے لئے جس بندہ کو کچھ دیا جائے یا اس کی کچھ خدمت اور مدد کی جائے تو اس پر اس کا احسان ہرگز نہ جتایا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے وہ نیکی بالکل بے کار ہو جائے گی۔ سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہوا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى (البقرہ: ۲۶۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر رائگاں نہ کرو۔

یعنی اگر کسی نے کسی بندۂ خدا کو کچھ دیا اور اس کی کوئی خدمت اور مدد کی اور پھر کبھی اس پر احسان دھرا، یا طعنہ کے طور پر تذکرہ کر کے اس بیچارے کا دل دکھایا تو گویا اپنی کی ہوئی نیکی کو بالکل

ملیامیٹ کر دیا۔

ایثار

سماحت اور سخاوت ہی کی ایک اعلیٰ شکل یہ ہے کہ آدمی خود ضرورت مند ہوتے ہوئے اپنی چیز دوسروں پر صرف کرے اور دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھے، خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے، خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

قرآن مجید میں انصار مدینہ کی تعریف میں فرمایا گیا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

ترجمہ: اور وہ مقدم رکھتے ہیں (ضرورت مند مہاجرین کو) خود اپنے پر اگرچہ خود ان کو تکلیف اور تنگی ہو۔

اور ایک دوسری آیت میں اللہ کے نیک اور مقبول جنتی بندوں کی تعریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (الدھر: ۸)

ترجمہ: اور اللہ کے یہ بندے کھانے کی چاہت اور رغبت کے باوجود کھلا دیتے ہیں وہ کھانا کسی مسکین یا یتیم یا کسی بیچارے قیدی کو۔

اس وصف پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی تعریف و تحسین بلاشبہ دوسرے بندوں کو اس کی بڑی موثر دعوت و ترغیب ہے کہ وہ اپنے میں یہ خلق پیدا کر کے اللہ کے مقبول بندے بنیں۔

بخل

سماحت اور سخاوت کی ضد یعنی اس نیکی کے مقابلے کی برائی کا نام بخل ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے جس طرح سماحت و سخاوت کی ترغیب و تعلیم دی ہے اسی طرح بخل کی ممانعت اور اس کی سخت ترین مذمت فرمائی ہے۔ ایک دو آیتیں اس سلسلہ کی بھی یہیں پڑھ لی جائیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: ۱۸۰)

ترجمہ: اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے دیا ہے (یعنی جو لوگ اللہ کی بخشی ہوئی دولت و قوت وغیرہ دوسرے بندوں پر خرچ نہیں کرتے، وہ) یہ خیال نہ کریں کہ یہ (طرز عمل) ان کے لئے کچھ اچھا اور نفع مند ہے، (ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ یہ ان کے لئے نہایت برا ہے، جو دولت ازراہ بخل وہ بچا بچا کر رکھ رہے ہیں یقیناً وہ (قیامت کے دن) اس کے گلے کا طوق بنے گی۔

یہی بات سورۂ توبہ میں اور زیادہ واضح اور موثر الفاظ میں اس طرح فرمائی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (التوبہ: ۳۴ تا ۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی دولت سونا، چاندی (وغیرہ) کو بطور ذخیرہ کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، پس اے پیغمبر! آپ ان (پر ستارانِ دولت) کو دوزخ کے دردناک عذاب کی "خوشخبری" سنا دیجئے۔ (یہ دردناک عذاب انہیں اس دن ہوگا) جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے (تمہاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزہ چکھو تم اپنی اس دولت اندوزی کا۔

بخل و کنجوسی کی مذمت اور بد انجامی کے بیان میں اگر قرآن مجید میں صرف یہی ایک آیت ہوتی تو کافی تھی، اس اخلاقی اور روحانی لعنت سے انسانوں کو بچانے کے لئے اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو ان حقائق کا اذعان و یقین نصیب فرمائے۔

استغناء و قناعت

سماحت و سخاوت کی طرح استغناء و قناعت بھی انسان کے اعلیٰ شریفانہ اخلاق میں سے ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ یہ دونوں نفسِ انسانی کی ایک ہی پاکیزہ صفت کے دو رُخ ہیں۔ استغناء و قناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ اپنے جائز ذرائع اور اپنی محنت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے وہ اسی کو اپنا حق و حصہ اور اپنے لئے کافی سمجھے اور دوسروں کی چیزوں پر للچائی ہوئی نگاہیں نہ ڈالے اور نہ مخلو

ق میں سے کسی کے سامنے احتیاج وطلب کا ہاتھ پھیلائے۔ قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا رحیم و کریم رب ہے۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ اپنی حاجتوں کے لئے اس کے سوا کسی کے سامنے اپنا ہاتھ نہ پھیلائے۔ اللہ کے خزانے میں سب کچھ ہے اور اس کی رحمت بندوں کے لئے کافی ہے۔

اس مضمون کی متعدد آیتیں توحید کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، ایک آیت یہاں اور بھی پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (الزمر: ۳۶)

ترجمہ: کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟ (پھر وہ کیوں کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے)۔

اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو جو کچھ اس دنیا میں دے رکھا ہے اس کی حرص نہ کرنے اور اس کی طرف طمع کی نگاہ سے نہ دیکھنے کا براہ راست حکم دیتے ہوئے ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (طٰہٰ: ۸۸)

ترجمہ: اور ہر گز آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو ان سامانوں کی طرف جن سے ہم نے ان میں کے مختلف لوگوں کو متمتع کر رکھا ہے۔

ایک دوسری جگہ ہدایت فرمائی گئی ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ (النسآء: ۳۲)

ترجمہ: اور مت تمنا اور ہوس کرو اس چیز کی جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بڑائی اور فوقیت دی ہے۔

مطلب یہی ہے کہ جو چیز اللہ نے اس دنیا میں کسی کو دی اور تمہیں نہیں، تو تم اس کی ہوس مت کرو بلکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھو، بس اسی کا نام قناعت ہے۔

توکل

استغناء اور قناعت کی جڑ و بنیاد توکل ہے۔ اللہ کے جس بندے کو توکل یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت وربوبیت پر اعتماد اور بھروسہ نصیب ہو اور اس کا دل اس پر مطمئن ہو کہ اللہ تعالیٰ میری ہر ضرورت کے لئے کافی ہے اور وہ میرا رحیم و کریم پروردگار اور کارساز ہے، اس میں استغناء و قناعت کی صفت

کا بدرجۂ کمال موجود ہونا بالکل قدرتی بات ہے۔ علاوہ ازیں توکل بذات خود اور بجائے خود اعلیٰ ترین ایمانی صفت ہے۔ جس بندے کو توکل نصیب ہو وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی قدرت، اس کے سارے خزانوں اور لشکروں کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھتا اور دیکھتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو توکل کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی خاص طور سے تلقین اور تاکید کرتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران: ۱۶۰)

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد سے ہاتھ اٹھالے تو اس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (التغابن: ۱۳)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (صرف وہی مالک و معبود ہے) اور ایمان والوں کو بس اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (الفرقان: ۵۸)

ترجمہ: اور تم بھروسہ کرو اس زندہ جاوید ہستی پر جس کو فنا اور موت نہیں (اور اس کے سوا سب فانی ہیں)۔

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۳)

ترجمہ: اور جو بندہ توکل کرے اللہ پر تو اللہ اس کے لئے بالکل کافی ہے۔

تواضع

قرآن مجید نے جن اخلاق پر خاص طور سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک تواضع بھی ہے۔ تواضع، تکبر کی ضد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دوسروں سے اپنے کو کمتر سمجھے، اس کی روش اللہ کے عاجز بندوں کی سی ہو اور دوسروں کے ساتھ معاملت و برتاؤ نیچا بن کے کرے۔

تواضع کا ظہور رفتار میں بھی ہوتا ہے، گفتار میں بھی اور کردار میں بھی حتیٰ کہ نشست وبرخاست میں بھی۔

سورۂ فرقان میں جہاں اللہ کے خاص مقبول بندوں کے اوصاف واطوار بیان فرمائے گئے ہیں وہاں ایک صفت ان کی یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ فروتنی کی چال چلتے ہیں۔ ارشاد ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان: ۶۳)

ترجمہ: اور رب رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نیچے بن کر۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں جہاں اخلاص، توحید اور اعمال اخلاق وغیرہ کے متعلق قریباً دو رکوع میں واضح ہدایات دی گئی ہیں وہاں آخری ہدایت یہ دی گئی ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا

(بنی اسرائیل: ۳۷)

ترجمہ: اور زمین پر اکڑتے اور اینٹھتے ہوئے نہ چلو، نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔

اور سورۂ لقمان میں حضرت لقمان کی زبان سے تواضع کے بارے میں یہ جامع نصیحت نقل فرمائی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

(لقمان: ۱۸ تا ۱۹)

ترجمہ: اور اپنے گال نہ پھلا لوگوں کے لئے (یعنی ان کے ساتھ غرور کے ساتھ پیش نہ آ) اور زمین پر اتراتا ہوا اور اکڑ کے نہ چل، اللہ تعالیٰ کسی متکبر اور مغرور کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز نیچی رکھ (یعنی متکبروں کی طرح گرج کر نہ بولا کر،) آوازوں میں سب سے بری گدھوں کی آواز ہے۔

بلا شبہ ان آیتوں میں تواضع کا نہایت ہی جامع اور بڑا ہی موثر درس ہے۔ "فھل من مدّکر"؟ قرآن مجید میں تواضع کی تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص کو مخاطب بنا کے بھی کی گئی ہے تاکہ سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں کسی کو خواہ کتنی ہی بڑائی اور عظمت حاصل ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ تواضع اور فروتنی سے پیش آئے اور ان کے سامنے اپنی بڑائی کا مظاہرہ نہ کرے۔ دنیا میں فضیلت وعظمت کا سب سے بلند مقام رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ تاہم قرآن مجید میں آپ کی ذات پاک کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الحجر: ۸۸)

ترجمہ: اور اپنے بازو نیچے کرو ایمان والے بندوں کے لئے (یعنی ان کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرو)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشعرآء: ۲۱۵)

ترجمہ: اور جھکا دو اپنے بازو ان اہل ایمان کے لئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کی ہے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تواضع اور فروتنی ان ہی بندوں کا حق ہے جو صاحب ایمان ہوں، ان کے علاوہ جو لوگ ایمان سے محروم اور کفر و شرک کی گندگیوں میں مبتلا ہیں، اگر وہ ہمارے خلاف برسرپیکار اور درپے آزار نہیں ہیں تو ان کے ساتھ رواداری اور حسن اخلاق اور حسب موقع احسان و ترحم کا معاملہ تو کیا جائے گا (جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا گیا ہے) لیکن کفر و شرک کی وجہ سے وہ تواضع کے مستحق نہیں ہیں، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنا غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں تواضع کا حکم صرف اہل ایمان کے لئے دیا گیا ہے۔

تکبر اور غرور

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تواضع کی ضد تکبر اور غرور ہے، اس لئے تواضع اللہ تعالیٰ کو جس قدر محبوب ہے، غرور اور تکبر اسی قدر مغضوب ہے۔ قرآن مجید میں جابجا تکبر اور متکبرین کی مغضوبیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (النحل: ۲۳)

ترجمہ: ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، یہ یقینی بات ہے کہ وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النسآء: ۳۶)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو متکبر و مغرور اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے والا ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ جنت ان ہی بندوں کا گھر بنے گی جو دنیا میں بلند و بالا ہونے کے خواہش مند نہ ہوں اور ان کا مزاج تکبر پسند نہ ہو۔ ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا (القصص:۸۳)

ترجمہ: رہنے کا وہ آخری گھر، (یعنی جنت) ہم اس کو کر دیں گے ان بندوں کے لئے جو نہیں چاہتے دنیا میں اونچا بننا اور فساد کرنا۔

اس آیت کے اشارہ سے معلوم ہوا اور تجربہ بھی بتلاتا ہے کہ دنیا کے سارے فساد بڑائی اور بالاتری کی خواہش ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے تکبر ہی سارے فساد کی جڑ۔ بنیاد ہے۔

تکبر کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ وہ حق وہدایت کے قبول کرنے سے بھی مانع ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کتنے ہی پیغمبروں کے تذکرہ میں بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں کے متکبرین نے صرف غرور اور تکبر کی وجہ سے ان پر ایمان لانے اور ان کا اتباع کرنے سے انکار کیا۔

سورۂ نمل میں فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں تو صراحت سے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس اللہ کی جو نشانیاں لے کر آئے انہیں دیکھ کر ان کے دلوں کو اگرچہ اس کا پورا یقین ہو گیا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کے لانے والے موسیٰ اللہ کے نبی ہیں، لیکن اپنی متکبرانہ ذہنیت کی وجہ سے انہوں نے زبان سے پھر بھی انکار کیا اور کفر ہی پر قائم رہے اور انجام کار عذاب الٰہی کا شکار ہوئے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (النمل ۱۴)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کی ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا (اس دلی یقین کے بعد بھی انہوں نے انکار) صرف ظلم اور غرور و تکبر کی بنا پر کیا، پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ان مفسدین کا۔

اور سورۂ والصّٰفّٰت میں جہنمیوں کے ایک طبقہ کا حال بیان کرتے ہوئے ان کی بد بختی کا خاص سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (الصفت:۳۵تا۳۶)

ترجمہ: ان لوگوں کا وطیرہ یہ تھا کہ جب ان کو توحید کا پیغام دیا جاتا اور صرف ایک خدا کی پرستش کو کہا جاتا تو وہ ازراہ تکبر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے ہیں۔

اور شیطان کی مردودیت کا بنیادی سبب بھی قرآن مجید نے اس غرور ہی کو بتایا ہے۔ قرآن پاک کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف: ۱۲)

ترجمہ: کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے روکا سے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟

اس نے کہا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (الااعراف: ۱۲)

ترجمہ: میں اس سے بہتر ہوں اور وہ مجھ سے گھٹیا ہے (پھر میں اس کو کیوں سجدہ کروں؟)۔

بہر حال شیطان کو اس کے اس غرور اور تکبر ہی نے اس سرکشی اور بغاوت پر آمادہ کیا۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۟ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ: ۳۴)

ترجمہ: اس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کا رویہ اختیار کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔

تکبر عزا زیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

حلم اور در گزر

حلم اور در گزر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی ایذا رسانی اور اشتعال انگیزی کو فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی سے برداشت کر لیا جائے اور انتقام لینے اور سزا دینے کی پوری قدرت رکھنے کے باوجود اس غلط کار اور قصوروار شخص سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور اس کی جہالت اور نا سمجھی کو لائق نظر اندازی سمجھ کر اس کو معاف کر دیا جائے۔ بلاشبہ اخلاق میں اس کا بڑا بلند مقام ہے اور قرآن مجید نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔

سورۂ آل عمران میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت اور اس کی خاص محبت کے حق دار بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۴)

ترجمہ: وہ بندے جو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی میں بھی اور جو پی جانے والے ہیں غصہ کو اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کے قصور اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکار بندوں سے محبت کرتا ہے۔

اور سورۂ شوریٰ میں ہر ظلم وزیادتی کا مناسب بدلہ لینے کا قانونی جواز بیان فرمانے کے بعد برداشت کر لینے اور معاف کر دینے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ: ۴۳)

ترجمہ: اور جو بندے برداشت کر لیں اور معاف کر دیں تو یہ بڑی عزیمت اور بلند ہمتی کی بات ہے۔

اور اسی سورت کے اسی رکوع میں چند آیتیں پہلے، آخرت میں اللہ کے خاص انعامات سے سرفراز ہونے والے اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے، ان کا ایک خاص وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ: ۳۷)

ترجمہ: اور جب (کسی شرارت اور بدتمیزی پر) ان کو غصہ آتا ہے تو وہ (انتقام نہیں لیتے بلکہ) معاف کر دیتے ہیں۔

اور سورۂ نور میں اپنے قصور واروں کو معاف کر دینے کی ترغیب کس قدر موثر انداز اور کیسے دلنشیں پیرایہ میں دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الشوریٰ: ۲۲)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو چاہئے کہ (جس سے ان کے حق میں کوئی زیادتی اور قصور ہو جائے اس کو) وہ معاف اور نظر انداز کر دیا کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جو بندہ یہ چاہے اور اس کی تمنا اور آرزو رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مہربانی اور بخشش کا معاملہ کریں، اسے چاہئے کہ وہ اپنے قصور واروں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے اور ان کو معاف کر دیا کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ بخشش اور رحمت کا معاملہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخشش ورحمت اس کی عالی شان کے مطابق ہو گی۔ پھر ترغیب کا ایک دوسرا پہلو اس آیت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہو ں، تم بھی اپنے قصور وار بھائیوں کے قصور معاف کر دیا کرو اور اس طرح میرا صفاتی قرب حاصل کر

کے میرے رنگ میں رنگ جاؤ۔

قرآن پر اور قرآن نازل فرمانے والے رب رحیم پر ایمان رکھنے والا کون بندہ ہو گا جو اس پیام رحمت سے متاثر نہ ہو۔

قریب قریب یہی مضمون سورۂ تغابن میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التغابن: ۱۴)

ترجمہ: اور اگر تم درگزر کیا کرو اور نظر انداز کر دیا کرو اور معافی دے دیا کرو تو اللہ بھی بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

یہاں تک جو آیتیں درج ہوئیں وہ خطاب عام کی قبیل سے تھیں، اب ایک آیت سورۂ اعراف کے آخری رکوع کی پڑھئے جس میں خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف ۱۹۹)

ترجمہ: (لوگوں کی بیہودہ باتوں اور جاہلانہ حرکتوں سے) آپ درگزر کرنے اور معاف

کر دینے کا شیوہ اختیار کیجئے اور نیک کاموں کے لئے کہتے رہئے اور ان جاہلوں، ناسمجھوں (کی جاہلانہ باتوں) کا کچھ خیال نہ کیجئے اور کوئی اثر نہ لیجئے۔

اور سورۂ قصص میں اللہ کے خاص فضل اور انعام کے مستحق اہل ایمان کے اوصاف واخلاق کا بیان کرتے ہوئے ان کی ایک خاص صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے:

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (القصص: ۵۵)

ترجمہ: اور جب وہ سنتے ہیں (جاہلوں، اوباشوں سے) کوئی بیہودہ بات تو اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بھائی ہمیں اپنے کیے کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے کئے کا بس ہمارا اسلام لو، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

اسی طرح سورۂ فرقان میں بھی اللہ کے خاص مقبول بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان: ۶۳)

ترجمہ: اور جب جاہل لوگ ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو وہ (ان سے الجھتے نہیں بلکہ) کہتے ہیں بس بھائی! ہمارا اسلام!

اگر قرآن مجید کی اس تعلیم و تلقین پر عمل کیا جائے تو دنیا کے کتنے جھگڑے فساد ختم ہو جائیں اور باغ عالم میں امن وسکون اور الفت ومحبت کی کیسی بہار آجائے!

ہاں ایک بات یہاں قابل لحاظ ہے اور وہ یہ ہے کہ حلم ودر گزر کی اس قرآنی تعلیم کا تعلق ذاتی اور نجی معاملات و حقوق سے ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص میری ذات کو دکھ پہنچاتا ہے اور میرا ہی قصور وار ہے تو میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں۔ قرآن مجید کی تعلیم وترغیب میرے لئے یہی ہے لیکن اگر کوئی فرد یا گروہ دنیا میں فساد برپا کرتا ہے یا گمراہی پھیلاتا ہے یا اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑتا ہے اور اس طرح فضا کو خراب کرتا ہے تو وہ ہرگز اس حلم اور در گزر کا مستحق نہیں ہے اور اس کے ساتھ نرمی اور در گزر کا برتاؤ کرنے میں اللہ کی مخلوق کی اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کی حق تلفی ہوگی، اس لئے اس کے شر وفساد کے انسداد کے لئے مناسب کا روائی کرنی ضروری ہوگی۔ قرآن عزیز میں جہاں جہاں مختلف قسم کے مجرموں اور بدکاروں کے حق میں سختی اور شدت کے برتنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ایسے ہی مواقع کے لئے ہے اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

جرأت وشجاعت

قرآن کریم جس طرح تواضع وخاکساری اور در گزر وبُردباری کی تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنے موقع پر بہادری اور جانبازی اور جرأت واظہار قوت کی بھی تلقین کرتا ہے۔ مثلاً اگر حق وباطل کا معرکہ ہو تو قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ فولادی انسانوں کی طرح پوری بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کریں۔ ایک موقع پر ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (الانفال: ۴۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ (دشمن کی) کسی فوج سے ہو تو تم ثابت قدم رہو۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصف: ۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں میں سے ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اور ایسے جم کر جنگ کرتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام ؓ کی اس ایمانی قوت اور شجا

عت کا ذکر خاص پیار اور تحسین کے انداز میں کیا گیا ہے کہ جب ان کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے لئے یہ خبریں پہنچائی گئیں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہیں ختم کرنے کے لئے بڑی تیاریاں کی ہیں اور بہت سامان جنگ جمع کیا ہے تو وہ بالکل مرعوب نہیں ہوئے، بلکہ اس سے ان کی ایمانی قوت میں ترقی ہوئی اور انہوں نے کہا کہ ہمیں ہمارا اللہ کافی ہے۔ ہم سب دیکھ لیں گے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ (آل عمران: ۳۷)

ترجمہ: ہمارے وہ صاحب ایمان بندے جن سے لوگوں نے کہا کہ (تمہارے مٹانے کے لئے) سارے لوگ جمع ہوئے ہیں اور انہوں نے بڑا سامان جمع کیا ہے، تم کو ان سے ڈرنا چاہیے تو اس بات نے ان کی ایمانی کیفیت میں اور اضافہ کیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

اسی طرح غزوۂ احزاب میں دشمنوں کی ٹڈی دل فوجوں کو دیکھنے کے بعد اہل ایمان نے جس ایمانی جرأت وہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا تھا، اس کا ذکر بھی قرآن پاک میں بڑی تحسین کے انداز میں کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا (الاحزاب: ۲۲)

ترجمہ: اور جب دیکھا ایمان والوں نے دشمن کی فوجوں کو، تو ان کی زبان سے نکلا یہ تو وہی ہے جس کی ہم کو اللہ ورسول نے پہلے سے خبر دے دی تھی اور بے شک سچ فرمایا تھا اللہ و رسول نے اور اس سے ان کے ایمان ویقین میں اور ان کی اطاعت کی صفت میں اور ترقی ہوئی۔

اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ موت کا خوف یا کسی تکلیف یا نقصان کا اندیشہ ہی وہ چیز ہے جو جرأت وشجاعت کے راستہ میں رکاوٹ بنتی ہے اور آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔ قرآن مجید نے بزدلی کی اس جڑ ہی کو کاٹ دیا۔ جابجا فرمایا گیا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے، اگر وہ وقت آگیا تو کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر وہ وقت ابھی نہیں آیا تو کوئی مار نہیں سکتا۔ اسی طرح جابجا فرمایا گیا ہے کہ کسی تکلیف یا نقصان کا پہنچنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہے۔ جب تک اس کا ارادہ اور حکم نہ ہو ہمیں کوئی گزند اور نقصان کسی طرف سے نہیں پہنچ سکتا اور جب اس کا حکم ہو تو کوئی ہمیں

تکلیف اور نقصان سے بچا نہیں سکتا۔ دو تین آیتیں اس سلسلہ میں بھی پڑھ لیجئے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (آل عمران: ۱۴۵)

ترجمہ: اور کسی کو موت آ نہیں سکتی بغیر حکم خدا کے، لکھا جا چکا ہے معین وقت (موت کا)۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے:

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (یونس: ۴۹)

ترجمہ: جب آوے گا وقت ان کی موت کا تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ آگے جا سکیں گے (ٹھیک مقرر وقت اٹھا لئے جائیں گے)۔

اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (التغابن: ۱۱)

ترجمہ: کوئی مصیبت نہیں آسکتی بدون حکم خدا کے۔

اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (التوبہ: ۵۱)

ترجمہ: (اے رسول!) آپ فرما دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے مقدر کر دیا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کو سب کام اسی اللہ کے سپرد کر دینے چاہئیں۔

غور کیا جائے جس دل میں یہ تعلیم اتر جائے پھر اس میں بزدلی کے لئے کہاں گنجائش رہ سکتی ہے اور جرأت و شجاعت کی راہ میں اس کے لئے کیا کاروٹ ہو سکتی ہے۔

وقار و خودداری

جرأت و شجاعت سے قریبی مناسبت رکھنے والی ایک اخلاقی صفت یہ بھی ہے جسے ہم اپنی زبان میں وقار اور خودداری کہتے ہیں۔ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو اس کی بھی ہدایت کرتا ہے کہ وہ باوقار اور خوددار ہو کر رہیں ایسا رویہ نہ اختیار کریں کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں، حتیٰ

کہ اگر کسی وقت ناداری اور حالات کی ناسازگاری سے نوبت فقر وفاقہ کی بھی آجائے تو بھی اپنے اس حال کو جہاں تک ہوسکے دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیں۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سورۂ بقرہ میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ (البقرہ: ۲۷۳)

ترجمہ: ناواقف آدمی ان کی بے سوالی کی وجہ سے ان کو آسودہ حال سمجھے گا، تم پہچان سکتے ہو ان کو ان کے چہرہ کی خاص کیفیت سے۔

اور سورۂ فرقان میں جہاں اللہ کے خاص مقبول بندوں کے امتیازی اخلاق واوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ان کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان: ۷۲)

ترجمہ: اور جب ان کا گزر ہوتا ہے لوگوں کی بیہودہ باتوں پر تو وہ باوقار شریفوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

الغرض اپنے ماننے والوں کو قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ ان کا رویہ ایسا ہی خودداری اور وقار کا ہونا چاہئے۔

حیا اور عفت

شرم وحیا اور عفت وپاکدامنی بھی ان اخلاق میں سے ہے جن پر قرآن مجید نے خاص طور سے زور دیا ہے اور اس کی ضد بے حیائی اور اخلاقی آلودگی سے (جس کے لئے جامع لفظ قرآن مجید میں "فاحشہ" اور "الفحشاء" کا استعمال کیا گیا ہے) بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے بلکہ منہیات ومحرمات کے بیان میں کئی جگہ پہلے نمبر پر اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ نحل کی اس آیت میں جو مختصر ہونے کے باوجود قرآن مجید کا ایک جامع ہدایت نامہ ہے (اور اسی وجہ سے جمعہ وغیرہ کے خطبوں کے آخر میں عام طور سے اس کو پڑھا جاتا ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل وانصاف اور احسان وغیرہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے" اور

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل: ۹۰)

ترجمہ: منع فرماتا ہے بے حیائی اور عام برائی سے اور ظلم وزیادتی کرنے سے، اللہ تعالیٰ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

اسی طرح سورۂ اعراف میں جہاں بنیادی محرمات کا ذکر فرمایا گیا ہے وہاں بھی سب سے پہلے نمبر پر "فواحش" ہی کا نام لیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف: ۳۳)

ترجمہ: (اے رسول!) آپ لوگوں کو فرمائیے کہ میرے رب نے حرام کر دیا ہے سب بے حیائی کی باتوں کو، جو ان میں سے علانیہ ہوں اور جو چھپی ہوں (یعنی بے حیائی کی یہ باتیں علانیہ کرنا بھی حرام ہیں اور پردہ میں بھی) اور اسی طرح اللہ نے حرام کیا ہے گناہ کو اور ناحق ظلم وزیادتی کو اور اس بات کو کہ تم شریک کرو اس کے ساتھ کسی بھی ہستی کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق وہ بات کہو جس کا تمہیں (کسی صحیح ذریعہ سے) علم نہیں ہو۔

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ بھی جن آیتوں میں بے حیائی کی باتوں (فحشاء یا فاحشہ یا فواحش) کی ممانعت فرمائی گئی ہے تو یہ ممانعت دراصل نہی کی شکل میں حیا اور عفت کا امر و حکم ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے ان باتوں سے بھی منع فرمایا ہے جو بذات خود اگرچہ بے حیائی کی باتیں نہیں ہیں لیکن ان سے بے حیائی اور اخلاقی آلودگی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر حکم دیا گیا ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کا جب سامنا ہو جائے تو دونوں نگاہیں نیچے کر لیا کریں، ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔ سورۂ نور میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور: ۳۰ تا ۳۱)

ترجمہ: (اے رسول!) آپ ایمان والوں کو حکم دیجئے کہ (جب نامحرم عورتوں کا سامنا ہو تو) وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اور کریں گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور (اسی طرح) ایمان والی ہماری بندیوں کو آپ حکم سنائیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

خود آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنکھوں پر یہ پابندی حیا اور عفت و عصمت کی حفاظت ہی کے لئے لگائی گئی ہے، بلکہ پردہ سے متعلق سارے احکام کی اصل نوعیت یہی ہے کہ وہ حیا اور عفت

وعصمت کی حفاظت کے لئے دیئے گئے ہیں۔ سورۂ احزاب میں جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر والیوں سے جب کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو۔ (وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ [1]) تو وہیں اس کی حکمت اور وجہ یہ بیان فرما دی گئی ہے:

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (الاحزاب:۵۳)

ترجمہ: یہ طرز عمل تمہارے اور ان کے دلوں کو زیادہ پاک رکھنے والا ہے۔

نیز اسی سورۂ احزاب میں جن ایمانی اخلاق واوصاف رکھنے والے مرد اور عورتوں کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے ان میں سے ایک وصف یہ پاکدامنی بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ: اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور اسی طرح کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت کا فیصلہ فرما رکھا ہے اور اجر عظیم کا سامان تیار کیا ہے۔

اسی طرح سورۂ مؤمنون اور سورۂ معارج میں اللہ کی رحمت اور جنت کے مستحق مؤمنین کے جن امتیازی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ان کی عفت اور پاکدامنی بھی ہے، دونوں جگہ الفاظ بالکل یکساں ہیں۔ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المومنون: ۵، معارج:۲۹)

ترجمہ: اور وہ بندے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (یعنی وہ جنت کے وارث ہوں گے اور جنت میں ان کا بڑا اعزاز واکرام ہوگا)۔

بہر حال قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق حیا وعفت بھی ان خاص ایمانی اوصاف میں سے ہیں جن سے انسانوں کی نجات وفلاح کا مسئلہ وابستہ ہے۔

---

[1] یہ آیت اگرچہ اپنے سیاق کے لحاظ سے ازواج مطہرات سے متعلق ہے لیکن حکم عام ہے۔ ۱۲

طہارت و پاکیزگی

اخلاق و آداب ہی کے سلسلہ کی قرآن مجید کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے اپنے کو پاک صاف رکھا جائے۔ سورۂ مدثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر: ۴ تا ۵)

ترجمہ: اور اپنے کپڑے (بھی) پاک صاف رکھو اور ہر طرح کی گندگی اور میل کچیل سے دور رہو۔

اور سورۂ توبہ میں اصحاب نبی ﷺ کے ایک خاص طبقے کی صفائی پسندی اور اس کے خاص اہتمام کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (التوبہ: ۱۰۸)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو خوب پاک صاف رہتے ہیں اور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

اور سورۂ بقرہ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ: ۲۲۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والے بندوں سے

گویا طہارت و پاکیزگی ان اوصاف میں سے ہے جن کی وجہ سے بندہ اللہ کی محبوبیت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اللّٰھم اجعلنا من التوابین واجعلنا من المتطھرین

معاملات میں پاکبازی اور اکل حلال

قرآن مجید نے انسانی زندگی کے تزکیہ اور اس کی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں جو ہدایات اپنے ماننے والوں کو دی ہیں، ان میں سے ایک اہم ہدایت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے لین دین کے معاملات میں پورے پاکباز ہوں اور اپنی روزی صرف جائز اور پاک ذریعوں سے حاصل کریں، کسی ناجائز طریقے سے ایک پیسہ بھی نہ کمائیں۔

سورۂ بقرہ میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے متعلق چند خاص احکام بیان فرمانے کے بعد متصلاً ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ: ۱۸۸)

ترجمہ: اور تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق اور ناروا طریقوں سے نہ کھاؤ (یعنی حرام وناجائز روزی سے تم ہمیشہ ہی روزہ رکھو)۔

اور قریب قریب انہی الفاظ میں سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النسآء: ۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے ہضم نہ کرو، ہاں اس میں حرج نہیں کہ باہمی رضامندی سے تمہارے درمیان جائز تجارتی لین دین ہو۔

ان دونوں آیتوں میں ناجائز کمائی کی ممانعت کے لئے ایسا وسیع اور عام عنوان اختیار کیا گیا ہے کہ جس میں کمائی کے سارے ہی ناجائز طریقے آجاتے ہیں۔ اس طرح ان آیتوں سے سود، رشوت، جوا، سٹہ، لاٹری، دھوکہ وفریب کی تجارت اور ان کے علاوہ بھی کمائی کے سارے ناجائز طریقے خواہ وہ پرانے ہوں یا نو ایجاد، ان آیتوں کی رُو سے ممنوع اور حرام ہو گئے۔

پھر سود اور جوئے وغیرہ کی حرمت قرآن مجید میں جابجا مستقلاً بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ

کے اڑتیسویں رکوع میں سود خوروں کی مذمت اور ان کے برے انجام کے ذکر کے ساتھ "حرم الربوا" کے صاف صریح الفاظ میں سود کی حرمت کا اعلان فرمایا گیا۔ "یمحق اللہ الربوٰ" کے الفاظ سے سود کی نحوست اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی مغضوبیت وملعونیت کو اور زیادہ واضح کیا گیا ہے، پھر جو لوگ یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی سودی کاروبار نہ چھوڑیں ان کو مخاطب کر کے سنایا گیا ہے: "فاذنو ابحرب من اللہ ورسولہ" یعنی تمہیں اب خبردار رہنا چاہئے کہ تم سے اللہ ورسول کی جنگ ہے، تم اب اللہ ورسول کے دشمن ہو اور اللہ ورسول تمہارے دشمن ہیں۔ (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ)

کمائی اور کھانے پینے ہی کے سلسلہ میں شراب اور جوا وغیرہ جو چند ناپاکیاں عربوں کی زندگی کا گویا جزبنی ہوئی تھیں، ان کے بارے میں سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: ۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ شراب اور جوئے بازی اور یہ استھان (یعنی معبودان باطل کے آستانے اور ان کے چڑھاوے) اور یہ پانسے (یعنی پانسوں کے ذریعہ قرعہ اندازی جو جوئے ہی کی ایک خاص شکل ہے) یہ سب گندے ناپاک شیطانی کام ہیں ان سے بچو، تو تمہاری فلاح کی امید ہو سکتی ہے۔

ناپ تول میں کمی بیشی جو بہت پرانی اور بہت عام بددیانتی ہے، اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ (بنی اسرائیل: ۳۵)

ترجمہ: اور جب تمہیں کوئی چیز کسی کو ناپ کر دینی ہو تو پیمانہ پورا بھر کر دو اور (جب کسی کو تول کر کچھ دینا ہو تو) ٹھیک ترازو سے تولو (باٹ ترازو میں کوئی پھیر اور بل نہ ہو۔)

اور سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (الرحمن: ۹)

ترجمہ: اور حق وانصاف کے مطابق ٹھیک تولو اور وزن میں کمی نہ کرو (ڈنڈی نہ مارو)۔

قرآن مجید نے ان واضح اور صریح احکام کے علاوہ ناپ تول میں بددیانتی کرنے والوں کو قیامت کے عذاب سے ایسے انداز میں ڈرایا ہے کہ جس دل میں خدا کے خوف اور ڈر کی کچھ بھی گنجا

ئش ہو وہ لرز کے رہ جائے اور پھر کبھی بھول کے بھی اس سے یہ بد دیانتی سرزد نہ ہو۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین: ۱ تا ۵)

ترجمہ: بڑی خرابی اور بہت بُرا انجام ہے ناپ تول میں بد دیانتی کرنے والوں کے لئے (جن کا طرز عمل یہ ہے کہ) جب لوگوں سے وہ اپنے لئے ناپ کر لیتے ہیں تو بھرپور لیتے ہیں اور جب دوسروں کے لئے وہ کوئی چیز ناپتے یا تولتے ہیں تو کم دیتے ہیں، کیا انہیں اس کا خیال نہیں ہے کہ وہ (مرنے کے بعد حساب اور جزا کے) یوم عظیم کے لئے پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، جس دن کہ سارے انسان جلال اور جبروت والے رب العٰلمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔

جو شخص سچے دل سے قرآن مجید کو خدا کی کتاب مانے وہ ان آیتوں کے سننے کے بعد ناپ تول میں بد دیانتی کس طرح کر سکتا ہے۔ اگر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں بھی ایسے لوگ کہیں نظر آتے ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ ان کے دل حقیقتِ ایمان سے محروم ہیں۔

حرام خوری کی ایک نہایت ہی لعنتی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص مذہبی و روحانی پیشوائی کا لباس پہن کر یعنی عالم دین یا درویش بن کر حیلوں اور ہتھکنڈوں سے خدا کے سادہ دل بندوں سے نذرانے چڑھاوے وصول کرے۔ ایسے لوگوں کا عام طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تحصیل وصول کے اس سلسلہ کو ہمیشہ باقی رکھنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لئے بھی محفوظ کرنے کے لئے وہ اس کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کے یہ دام افتادہ عوام دین کی صحیح تعلیم سے کبھی آشنا نہ ہونے پائیں اور اللہ کے مخلص بندوں اور دین حق کے سچے خادموں اور داعیوں سے ہمیشہ دور دور اور الگ تھلگ رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ زیادہ تر یہودیوں میں تھے۔ لیکن ہمارے اس زمانہ میں بد قسمتی سے خود مسلمانوں میں ایسے پیشہ ور مولویوں اور پیروں کا ایک پورا طبقہ موجود ہے جس کا یہی کردار اور کاروبار ہے۔ بہر حال ایسے لوگ خواہ یہودیوں، عیسائیوں میں ہوں یا مسلمانوں میں قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ: ۳۴)

اے ایمان والو! بہت سے "عالم مولوی" اور "پیر فقیر" بندگان خدا کا مال ناجائز حیلوں اور ترکیبوں سے کھاتے ہیں (اور بجائے اس کے کہ ان بیچاروں کو کوئی دینی فائدہ پہنچاتے اور خدا کا راستہ بتاتے، الٹے ان کو) اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود کے مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ تھا جو پہلے آسمانی کتابوں (تورات وغیرہ) کے ان مضامین سے خوب واقف تھا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اور آپ کے لائے ہوئے دین وشریعت کی تصدیق ہوتی تھی لیکن وہ اپنے عوام کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا تھا۔ بلکہ تحریف وتاویل کے پردے ڈال کر اس کو چھپانا چاہتا تھا۔ تاکہ یہ بیچارے عوام اسی طرح ان کے جال میں پھنسے رہیں اور نذرانوں، چڑھاوؤں کے سلسلے میں کوئی فرق نہ پڑے۔ قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں ان لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرہ: ۱۷۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل کیں، جو لوگ ان کے مضامین کو لوگوں سے چھپاتے ہیں اور اس حق پوشی کے ذریعہ تھوڑے سے پیسے (نذرانے، چڑھاوے) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ صرف آگ سے بھر رہے ہیں، (وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہاں خدا رسیدہ اور اللہ والے بنے ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بہروپیوں سے سخت ناراض اور بیزار ہے) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور ان کو (بخش کر) گناہوں سے پاک بھی نہیں کرے گا اور ان کے لئے وہاں صرف دردناک عذاب ہے۔

قرآن مجید نے ایک طرف تو کمائی کے ناجائز طریقوں اور حرام غذاؤں کو ممنوع قرار دیا ہے اور ان پر سخت وعیدیں سنائیں ہیں اور دوسری طرف اس کی بھی ترغیب دی ہے کہ اللہ نے جن چیزوں اور جن کمائیوں کو حلال وطیب قرار دیا ہے (جن کا دائرہ بہت وسیع ہے) ان کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کے حکم کے مطابق آزادی سے استعمال کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے، اپنے کو خواہ مخواہ تنگی میں نہ ڈالا جائے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (البقرہ: ۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہم نے جو پاک طیب چیزیں تمہیں بخشی ہیں ان کو بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی کرنے والے ہو (تو تمہارا طرز عمل یہی ہونا چاہئے)۔

سورۂ نحل میں فرمایا گیا:

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (النحل: ۱۱۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو حلال وطیب چیزیں تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو بے تکلف کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اور اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو (تو تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے۔)

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۷ تا ۸۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو اپنے لئے حرام مت کرو اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کرو، ایسا کرنے والے اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور اللہ نے جو حلال طیب چیزیں تمہیں عطا فرمائی ہیں ان کو بے تکلف کھاؤ پیو اور جس اللہ پر تمہارا ایمان ہے اس سے ڈرو (اور اس کے حدود واحکام کے پابند رہو)۔

حق اور نیکی کو پھیلانے اور عام کرنے کی جدوجہد اور اس راہ میں جانبازی

عقائد اور اعمال، اخلاق اور معاملات وغیرہ زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن مجید نے جو ہدایات دی ہیں، (جو کسی قدر تفصیل سے گزشتہ اوراق میں ذکر کی جاچکی ہیں) کوئی عقل سلیم والا اس میں شک نہیں کر سکتا کہ یہ سب حق اور نیکی کی ہدایات ہیں۔ قرآن مجید ان ہدایات پر عمل کرنے کے مطالبے کے ساتھ اپنے ماننے والوں سے اس کا بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس حق اور نیکی کو دوسروں میں پھیلانے اور عام کرنے کی بھی جدوجہد کریں۔ یعنی اس کی پوری کوشش کریں کہ اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندے حق اور نیکی کے اس راستے کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور آخرت میں جنت کے حق دار بنیں۔

حالات کے مطابق اس کوشش کی شکلیں اور اس کے درجے مختلف ہوتے ہیں۔ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، ان مختلف شکلوں کے عنوانات ہیں۔ یہ ناچیز اس موضوع پر تفصیلی کلام اپنی کتاب "دین وشریعت" میں کر چکا ہے، یہاں صرف یہی بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید کا مطالبہ اور اس کی دعوت وہدایت اس بارے میں کیا ہے اس لئے یہاں اس سلسلہ کی صرف چند آیات درج کی جاتی ہیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: ۱۰۴)

ترجمہ: اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کے لئے لوگوں سے کہے اور برائی سے روکے اور یہ کام کرنے والے ہی فلاح یاب ہوں گے۔

اس آیت کے لفظ "منکم" سے لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ اس کام کا مطالبہ اس آیت میں قرآن کی ماننے والی پوری امت سے نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ اس کے کسی خاص طبقہ کی ذمہ داری ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس آیت ہی کے آخری جملہ "واولئك هم المفلحون" سے اس غلط فہمی کی تر

دید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاح وسعادت کے حق دار صرف وہی لوگ ہوں گے جو اس کام کو انجام دیں اور جس عمل پر فلاح وسعادت کا حصول موقوف ہو ظاہر ہے کہ اس کا مطالبہ صرف کسی خاص طبقہ سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کی دعوت پوری امت کو دی جانی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت سے ۴، ۵ آیتوں کے بعد قرآن نے اس مطالبہ کو پھر ان الفاظ میں دہرایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: (اے پیروان محمدؐ!) تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو، جو لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں اس امت کے وجود و ظہور کی غرض وغایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کو ایمان باللہ کے ساتھ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح وہدایت کی خدمت انجام دینی ہے۔

الغرض اس آیت سے یہ بات بھی بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ امت کا کوئی خاص طبقہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے بلکہ پوری امت سے اس کا مطالبہ ہے۔ ہاں اس کام کی خاص نوعیت ایسی ہے کہ اکثر حالات میں امت کے ہر فرد کا اس میں لگنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اس کی اہلیت وصلاحیت رکھنے والے افراد اگر بقدر کفایت اس کام میں لگے رہیں اور دوسروں کا تعاون انہیں حاصل رہے تو بھی کام پورا ہوتا رہتا ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ غالباً اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے پہلی آیت میں لفظ "منکم" لایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا گیا!

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حٰم سجدہ: ۳۳)

ترجمہ: اور کون زیادہ اچھا ہو سکتا ہے اس شخص سے بات میں جس نے بلایا اللہ کی طرف اور خود بھی نیک کرداری اختیار کی اور کہا کہ میں اللہ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں؟

یعنی سب سے اچھی بات اس بندے کی ہے جو ایمان وعمل صالح کا ذاتی سرمایہ رکھنے کے ساتھ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتا اور اس راہ میں جان کھپاتا ہو۔

اور سورۃ العصر میں فرمایا گیا:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر: ۱تا۳)

ترجمہ: زمانہ کی گردش کی قسم! سارے انسان خسارہ میں ہیں، خسارہ سے بچنے والے اور فلاح پانے والے صرف وہ بندگان خدا ہیں جو ایمان لائیں، نیک اعمال کریں اور راہ حق پر چلنے کی اور نفس کو بری خواہشوں سے تھامے رکھنے کی ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت بھی کریں۔

اس صورت میں خسارہ سے بچنے اور فلاح پانے کے لئے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ "تواصی بالحق" اور "تواصی بالصبر" کی بھی شرط لگائی گئی ہے۔ اس "تواصی بالحق" کا مطلب ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ عقائد میں، ایمان میں، اخلاق میں، معاملات میں، (خواہ وہ معاملات انفرادی ہوں یا اجتماعی، شخصی ہوں یا قومی یا بین الاقوامی ہوں، اپنوں کے ساتھ ہوں یا غیروں کے ساتھ) غرض زندگی کے ہر معاملہ اور ہر شعبہ میں حق پر چلنے کے لئے لوگوں کو دعوت دی جائے۔ اسی طرح "تواصی بالصبر" کا مطلب یہ ہے کہ غلط راہوں پر چلنے اور غلط کام کرنے کی جو خواہشیں مختلف محرکات کی وجہ سے نفس میں پیدا ہوتی ہیں ان سے باز رہنے اور نفس کو قابو میں رکھ کر حق و ہدایت کا پابند رکھنے کی بھی دوسروں کو دعوت دی جائے اور وصیت و نصیحت کی جائے۔ بہر حال اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی طرح یہ کام بھی ہمارے ان بنیادی فرائض میں سے ہے جن کو ادا کئے بغیر ہم فلاح و سعادت سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔

اس کام کا ایک جامع اور وسیع تر عنوان جیسا کہ عرض کیا گیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے، جس کا اصل مطلب ہے اللہ کے راستہ میں پوری محنت اور کوشش کرنا، یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستہ پر لگانے اور اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بنانے کے لئے جس وقت جس محنت و کوشش اور جس قربانی کی ضرورت ہو اور جو اپنے امکان میں ہو وہ کر گزرنا۔ جہاد کے اصل معنے یہی ہیں، ہاں اس کی شکلیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے بارہ تیرہ سالوں میں جس طرح یہ کام کرتے رہے وہ جہاد کی ایک شکل تھی، پھر مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں آپ نے اور آپ کی رہنمائی میں آپ کے اصحاب کرام ❁ نے جو دعوتی اور تبلیغی کوششیں فرمائیں اور جو محنتیں اور مشقتیں اس سلسلہ میں اٹھائیں وہ بھی جہاد کی ایک شکل تھی اور اس کے بعد بدر و احد اور دوسرے غزوات میں جنگ و قتال کے جو معرکے ہوئے وہ بھی جہاد ہی کی ایک شکل تھی۔

پس قرآن مجید میں جہاں جہاں اہل ایمان سے جہاد فی سبیل اللہ کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ والا بنانے کے لئے اور شیطان و نفس اور معبودان باطل کی غلامی سے نجات دلا کر ان کو اللہ کی بندگی میں لانے کے لئے اور ان کی زندگی کو پاکیزہ اور نورانی بنا کر ان کو خدا کی رحمت اور جنت کا مستحق بنانے کے لئے جو کوشش اور قربانی تم کر سکتے ہو اس میں دریغ نہ کرو۔ قرآن مجید میں اس کام کو اتنی عظمت دی گئی ہے کہ اس کو خود اللہ کی نصرت اور اس کے کرنے والوں کو انصار اللہ یعنی اللہ کے مددگار کہا گیا ہے اور ان کے لئے دنیا اور آخرت کی بڑی سے بڑی سرفرازیوں اور سربلندیوں کے وعدے کئے گئے ہیں۔ سورۂ صف کی یہ چند آیتیں پڑھئے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (الصف: ۱۰ تا ۱۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا کاروبار بتادوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دلادے؟ (سنو! وہ یہ ہے) ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر (اور اس ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے اپنے حقیقی مؤمن ہونے کا ثبوت دو) اور اپنے جان و مال سے اللہ کے راستہ میں اور اس کے دین کے لئے جدوجہد کرو، اس میں تمہارے لئے سراسر بہتری ہے اگر تم کو حقیقت کا علم ہو۔ (تم نے اگر ایسا کیا) تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت کے ان باغات میں پہنچادے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور سدا بہار جنتوں کے نہایت ہی نفیس محلوں میں تمہیں بسائے گا۔ یہی عظیم الشان کامیابی ہے (اور آخرت کی اس جنت اور کامیابی کے علاوہ اور اس سے پہلے) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا کرے گا جس کی تمہیں چاہت ہے (اور وہ ہے) دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کی مدد اور قریبی فتح اور اے پیغمبر! آپ ایمان والے بندوں کو اس کی خوشخبری سنادیجئے۔ اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں میری مدد کرنے والے اللہ کے راستہ میں؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے انصار اور اس کے راستہ میں آپ کے مددگار۔

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اس کے (قرب و رضا) کا راستہ تلاش کرو (یعنی ایسے عمل کرو جن سے اس کی رضا اور قرب حاصل ہو، اس سلسلہ کا خاص الخاص عمل یہ ہے کہ) اس کے دین کی راہ میں (یعنی اس کے بندوں کو اس کی راہ پر لگانے کے لئے) بھرپور کوشش کرو، تاکہ تم فلاح پاسکو۔

اور سورۂ حج کے خاتمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ (الحج: ۷۸)

ترجمہ: اور جدوجہد کرو اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے بندوں کو اس کے راستہ پر لگانے کے لئے پوری محنت اور کوشش کرو) جیسی محنت اور کوشش کا اس کا حق ہے۔ (اے امت محمد! اب) اللہ نے تم کو اس خدمت کے لئے چنا ہے، تمہارے لئے دین میں کسی طرح تنگی نہیں رکھی طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا، اس نے تمہارا (کیسا اچھا) نام "مسلم" رکھا ہے، اس کتاب (قرآن مجید) میں اور اس سے پہلے (والی کتابوں میں) تو ایسا ہو کہ رسول تو تمہیں بتانے والا ہو اور تم باقی دنیا کے بتانے والے بنو۔

اور سورۂ حجرات میں اس جہاد فی سبیل اللہ یعنی دین کے لئے محنت و قربانی کو لازمۂ ایمان بتایا گیا ہے اور صاف فرمایا گیا ہے کہ سچے مومن بس وہی ہیں جن کو اللہ و رسول پر اور ان کی باتوں پر یقین ہو، دل میں کسی شک و شبہ کا گزر نہ ہو اور وہ اللہ کی راہ میں جدوجہد اور قربانی بھی کرتے ہوں۔ ارشاد ہوا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات: ۱۵)

ترجمہ: اصلی مومن تو بس وہی بندے ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر وہ کسی شک و شبہ میں گرفتار نہیں ہوئے اور انہوں نے خوب کوشش کی اور قربانی دی اپنے جان و مال کی اللہ کے راستہ میں، بس وہی بندے (ایمان کے دعوے میں) صادق اور سچے ہیں۔

آخر میں سورۂ توبہ کی ایک آیت اور پڑھ لی جائے جس میں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ انہیں دنیا کی ہر محبوب اور پسندیدہ چیز حتی کہ اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی زیادہ اللہ اور رسول کی محبت اور اللہ کی راہ میں جدوجہد اور جانبازی محبوب ہو۔ اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو وہ خدا کی رحمت وعنایت کا نہیں بلکہ سزا کا مستحق ہے، العیاذباللہ۔ سورۂ توبہ میں فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ: ۲۴)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) مسلمانوں سے کہئے کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ وقبیلہ اور تمہاری کمائی ہوئی دولت اور تمہاری وہ تجارت جس کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں عزیز ہیں (تو اگر یہ چیزیں) زیادہ پیاری ہیں تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں محنت وجانبازی سے تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ کر دے (اور تم کو اس کی سزا مل جائے) اور اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو ہدایت کی نعمت عطا نہیں فرماتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی اصل شان یہ ہے کہ راہ خدا میں جانبازی اور دین کے لئے جدوجہد اس کو دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ومرغوب ہو۔ گویا صرف یہ عمل ہی نہیں بلکہ اس عمل سے عشق ہونا چاہئے، بیشک عشق ہی کی طاقت سے اس راستہ کی مشکلات کو عبور کیا جا سکتا ہے۔

قرآنی خطبات و مواعظ

یوں تو سارا قرآن ہی نصیحت و موعظت ہے اور مختلف عنوانات کے تحت جو کئی سو آیتیں ہم نے یہاں تک اس کتاب میں درج کی ہیں وہ سب ہی کسی نہ کسی نصیحت و موعظت کی حامل ہیں، لیکن قرآن پاک میں بہت سے مقامات ایسے بھی ہیں جن کی حیثیت مستقل خطبات و مواعظ کی ہے اور گزشتہ عنوانوں میں سے کسی کے تحت ہم نے ان کو درج بھی نہیں کیا۔ اب اس عنوان کے تحت ہم ان ہی کو درج کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پچاسوں کیا بلکہ سینکڑوں ہیں لیکن یہاں ہم صرف دس مقامات کی چند چند آیتیں قرآن مجید کی ترتیب ہی کے لحاظ سے درج کرنے پر اکتفا کریں گے، یہی ہماری اس کتاب کا آخری عنوان اور گویا خاتمۃ الکتاب ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (البقرہ: ۲۱۳)

ترجمہ: آزمائشوں کے دور میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کی جائے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷ (البقرۃ ۱۵۳ تا ۱۵۷)

اے ایمان والو! (مشکلات و مصائب کے مقابلہ کے لئے) صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ (کی نصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (اور نماز کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے خاص رابطہ پیدا کرتا ہے اور اس کے حضور میں پہنچ جاتا ہے) اور (اے اہل ایمان! تم میں سے) جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے جائیں ان کے بارے میں نہ (تو ایسا خیال کرو اور نہ زبان سے) کہو کہ وہ مردے ہیں، (وہ مرے نہیں ہیں) بلکہ ایک خاص حیات کے ساتھ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی اس خاص زندگی کا شعور نہیں رکھتے ہو۔ اور ہم ضرور تمہیں آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالیں گے اور خوف و خطر اور فاقہ کشی اور جان و مال کے نقصانات اور پیداوار کی کمی میں تم کو ہم مبتلا کریں گے (کیونکہ حق پر

چلنے والوں اور حق کی دعوت دینے والوں کے لئے ان منزلوں سے گزرنا ضروری ہے) اور اے پیغمبر! فلاح وکامرانی کی بشارت دیجئے ان صابر بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ (دل وزبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کے لئے ہیں اور (یہاں کی یہ چندروزہ زندگی ختم کرکے) ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، یہ وہ بندے ہیں جن پر ان کے پروردگار کی خاص عنایتیں اور رحمتیں ہیں اور یہی ہدایت یاب ہیں۔

مصیبتوں اور آزمائشوں کے وقت کے لئے ان آیتوں میں اہل ایمان کی تسلی اور رہنمائی کا کتنا کافی سامان ہے۔ صبر کی صفت اپنے اندر پیدا کرنا اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنا اور اس حقیقت کا استحضار اور مراقبہ کہ ہم اور ہمارا سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے اور ہم کو پلٹ کر اسی کے حضور میں جانا ہے، یہ تینوں طاقت کے وہ خزانے ہیں جن کے اپنے پاس ہوتے ہوئے کوئی صاحب ایمان اپنے کو کبھی کمزور نہیں محسوس کرسکتا۔

بندوں کو ان کے مالک کا بلاوا جنت اور رحمت کی طرف

سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۡ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۣ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ (آل عمران: ۱۳۲ تا ۱۳۶)

ترجمہ: اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تاکہ تم رحمت کے مستحق ہو جاؤ (اللہ ورسول کے فرمانبردار بندے ہی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں) اور تیزی سے بڑھو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت تمام آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے جو اہل تقویٰ کے لئے تیار اور آراستہ کی گئی ہے۔ (جن کا طریقہ یہ ہے کہ) وہ (نیکی کی راہوں میں) خرچ کرتے ہیں فراغت وخوشحالی میں بھی اور تکلیف وتنگدستی کی حالت میں بھی اور وہ پی جانے والے ہیں غصہ کو اور معاف کردینے والے ہیں لوگوں کے قصور اور اللہ محبت کرتا ہے ایسے نیکوکاروں سے اور (وہ بندے بھی مغفرت وجنت کے مستحق ہیں) جن کا حال یہ ہے کہ جب کوئی بری اور بے حیائی کی حر

کت ان سے سرزد ہو جاتی ہے یا کوئی گناہ کر کے وہ اپنے اُوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ ان کو یاد آجاتا ہے، پھر وہ اپنے اس مالک سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخش سکے۔ اور وہ دیدہ ودانستہ اپنے ان اعمال بد پر اصرار نہیں کرتے، یہ سب بندے وہ ہیں کہ ان کی جزا اور ان کا صلہ بخشش ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اچھا بدلہ ہے ان عمل کرنے والوں کے لئے۔

گویا ہمارے مالک اور پروردگار کا اعلان ہے کہ میری رحمت اور جنت کا دروازہ ان گنہگار بندوں کے لئے بھی کھلا ہوا ہے جنہیں اپنے گناہ پر اصرار نہ ہو اور وہ گناہ کے بعد توبہ کر کے اور بخشش کے طالب بن کے میری طرف رجوع کریں۔

اللّٰھم انا نسئلك التوبة ونسئلك الجنة

دین کے بنیادی احکام اور نصائح

سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲ (الانعام: ۱۵۱ تا ۱۵۲)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) اُن سے کہئے آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کیا تم پر حرام کیا ہے (اور اس نے کیا کیا خاص پابندیاں تم پر لگائی ہیں۔ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم اس کا یہ ہے) کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، (ہر قسم کے شرک سے بچو) اور (اس کے بعد دوسرا حکم اس کا یہ ہے کہ) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور افلاس کی وجہ سے اپنے پیدا ہونے والے بچوں کو ہلاک نہ کر ڈالو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے۔ اور بے شرمی اور بے حیائی کی باتوں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ۔ اور کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر کسی کو قتل کیا جائے (جیسے مثلاً قصاص میں

قاتل کو قتل کیا جاتا ہے۔) یہ وہ باتیں ہیں جن کا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے شاید کہ تم سمجھ بوجھ کا رویہ اختیار کرو اور (اس کا حکم ہے کہ) یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ (اور ان کے مال کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ) الاّ (یہ کہ ان کے فائدے کے لئے ان کے مال میں کوئی تصرف کرنا ضروری ہو تو) اچھے طریقے سے کر سکتے ہو، (وہ بھی) اس وقت تک کہ یتیم اپنے سن رشد کو پہنچ جائے اور انصاف و دیانت کے ساتھ ناپ تول پورا کیا کرو۔ ہم آدمی پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتے ہیں جتنی اس کے امکان میں ہو۔ اور جب بات کہو تو انصاف کی اور خدا لگتی کہو، اگرچہ فریق معاملہ تمہارا کوئی عزیز و قریب ہی ہو۔ اور اللہ (کے احکام) کی پوری پوری فرمانبرداری کر کے اس کے عہد کو پورا کرو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں خاص طور پر حکم دیا ہے، امید ہے کہ تم نصیحت پکڑو گے۔

اللہ کی بات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا انجام

سورۂ رعد کی یہ آیتیں پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ آپ کو کس راستہ پر چلنا ہے اور مذکورہ ذیل دو فریقوں میں سے کس فریق کے ساتھ اپنے کو شامل کرنا ہے:

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ۭ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝ (الرعد: ۱۸ تا ۲۵)

ترجمہ: جن بندوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی اور دعوت ایمانی اور پیغام ربانی کو قبول کیا ان کے لئے بڑی خوش انجامی ہے اور جنہوں نے قبول نہیں کیا (ان کے لئے بڑا برا انجام ہے، ان کا حال وہاں یہ ہوگا کہ) اگر بالفرض ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری دنیا میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اپنی خلاصی کے لئے بطور فدیہ کے اس سب کو دے ڈالیں گے، ان کے واسطے بڑا

ہی سخت حساب ہے اور دوزخ ان کا (آخری اور دائمی) ٹھکانہ ہے اور وہ بڑی بری قرار گاہ ہے۔ (اے پیغمبر!) جس (خوش نصیب بندہ) کو اس حقیقت کا علم و یقین نصیب ہے کہ جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے، کیا وہ اس (بدبخت شخص) کی طرح اور (انجام میں) اس جیسا ہو سکتا ہے جو اس حقیقت سے اندھا ہے؟ (ظاہر ہے کہ ان دونوں کا انجام ایک نہیں ہو سکتا) نصیحت تو بس صحیح عقل و بصیرت رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں، جو بندے اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے اور جو ان روابط اور تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے مالک سے ڈرتے ہیں اور حساب و انجام کی برائی کا اندیشہ رکھتے ہیں اور جو بندے اپنے مالک کی رضاجوئی میں اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے ہیں اور نماز اہتمام سے ادا کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ (نیکی کی راہوں میں) اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور (جن کا طریقہ یہ ہے کہ) برائی کا جواب بھی وہ نیکی سے دیتے ہیں، بس یہ وہ بندے ہیں جن کے لئے دار آخرت کی خوش انجامی ہے (یعنی) سدا بہار جنتیں ہیں جن میں داخل کئے جائیں گے اور ان کے (ساتھ ان کے) وہ ماں باپ اور بیوی بچے بھی جن میں کچھ صلاح اور نیکی ہو گی اور ملائکہ ہر دروازے سے ان کے پاس پہنچیں گے (اور ان کو اس طرح سلامی دینگے:) "سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدّار" (یعنی سلام آپ لوگوں پر بہ سبب اس کے کہ آپ لوگ مضبوطی سے جمے رہے حق اور نیکی کے راستے پر) پس بہت اچھا ہے آپ لوگوں کا اخروی انجام اور اس کے برعکس جن لوگوں کی سیرت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن روابط و علائق کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور اللہ کی زمین میں فساد اور گمراہی پھیلاتے ہیں ان کے لئے اللہ کی لعنت ہے اور دار آخرت کا برا انجام ہے۔

سرکش مجرموں کو سخت انتباہ اور قیامت میں ان کا انجام

سورۂ ابراہیم کا یہ پورا آخری رکوع پڑھئے! کیسا لرزہ خیز انتباہ ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۙ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا

تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ابراہیم: ۴۲ تا ۵۲)

ترجمہ: اور ہر گز ایسا مت خیال کرو کہ اللہ ظالموں کی بد کرداریوں سے بے خبر ہے (ایسا نہیں ہے، اسے سب خبر ہے، ان کے سارے کرتوت اس کی نظر میں ہیں، وہاں) ان کے جزا و سزا کے معاملہ کو اس نے اس "یوم عظیم" کے لئے مؤخر اور ملتوی کیا ہے جس دن (کی ہولناکیوں کو دیکھ کر) ان مجرموں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (وہ اونٹ کی طرح) سر آسمان کی طرف اٹھائے (ہانپتے کانپتے) دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ (ان کی دہشت و گھبراہٹ اور بدحواسی کا یہ عالم ہو گا کہ اُوپر ہی کی جانب اٹھی رہیں گی ان کی) نگاہیں خود ان کی طرف لوٹ کے نہ آئیں گی (یعنی آنکھیں اپنے کو دیکھنا ہی بھول جائیں گی) اور ان کے دل بالکل خالی ہوں گے (صبر و قرار اور فکر و فہم کی صلاحیت سے) اور اے پیغمبر! لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبر دار کر دو جس دن کہ اللہ کا عذاب بالکل ان کے سامنے آجائے گا تو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے کو تباہ و برباد کیا ہے وہ کہیں گے ہمارے مالک و مولا ہمیں تھوڑی سی مدت کے لئے اور مہلت دیدے (اور اپنی حالت کے درست کرنے کا ذرا موقع دیدے) ہم تیرے پیام اور تیری دعوت کو قبول کریں گے (یعنی ایمان لائیں گے) اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ (انہیں جواب ملے گا آج جب عذاب تمہارے سامنے آگیا ہے تو یہ باتیں کرتے ہو) کیا تم ہی نہ تھے کہ (قیامت اور آخرت کی جزا و سزا کا انکار کرتے ہوئے) تم نے اس سے قبل قسمیں کھا کھا کر کہا تھا کہ تمہیں کبھی کسی طرح کا زوال نہ ہو گا (اور کبھی تم کسی عذاب میں مبتلا نہیں کئے جاؤ گے) حالانکہ تم اگلے زمانہ کے ان لوگوں کی بستیوں ہی میں بسے تھے جنہوں نے (پہلے شرک و کفر کر کے تمہاری ہی طرح) اپنے نفسوں کو تباہ و برباد کیا تھا اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ (اور ان کا کیسا انجام ہوا) اور (اس کے علاوہ ہم نے تمہارے لئے (اپنے پیغمبروں کے ذریعہ تاریخی) مثالیں بیان کی تھیں (لیکن تم نے ان میں سے کسی بات سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور انکار و بغاوت ہی پر قائم رہے) اور (حق کا راستہ روکنے کے لئے) انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور ان کی ساری چالیں خدا کے سامنے ہیں اور یقیناً ان کی چالیں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں (لیکن ارادۂ الٰہی کے مقابلہ میں ان کی کوئی چال بھی کامیاب نہیں ہو سکی) پس ایسا خیال نہ کرو کہ

اللہ جو وعدہ اپنے رسولوں سے کر چکا ہے، (مثلاً یہ سرکش مجرموں کو وہ ضرور سزا دے گا) وہ اس کے خلاف کرنے والا ہو جائے گا۔ ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا اور باغیوں اور مجرموں کو سزا دینے سے کوئی اس کو نہیں روک سکتا) یقیناً اللہ زبردست اور سب پر غالب ہے (مجرموں کو ان کے اعمال بد کی) سزا دینے والا ہے۔ (یہ سب کچھ اس دن ظہور میں آجائے گا) جس دن یہ زمین بدل کر ایک دوسری ہی زمین ہو جائے گی اور آسمان بھی بدل جائے گا اور سارے آدمی اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہونگے اور تم دیکھو گے کہ اس دن (خدا کے باغیوں) مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے، ان کے کُرتے قطران تیل کے ہوں گے (جو گندھک کی طرح آگ لیتا ہے اور بہت تیزی سے جلتا ہے) اور آگ کی لپٹیں ان کے چہرے کا نقاب ہونگی، یہ سب اس لئے ہو گا کہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کے مطابق بدلہ دے، اللہ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے۔ یہ خداوندی پیغام واعلان ہے سب لوگوں کے لئے اور مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعہ آگاہ ہوں اور انہیں معلوم ہو کہ (ان کا اور سب کا) معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور جو لوگ عقل وخرد سے محروم نہیں ہیں وہ نصیحت پکڑیں۔

دین کی بنیادی ہدایتیں اور خداوندی احکام

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۲۴ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۲۵ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۲۷ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۲۸ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۲۹ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۳۰ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۳۱ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۳۲ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۳۳ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳تا۳۹)

ترجمہ: اور تمہارے مالک کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو اور (اس توحید خالص کے حکم کے بعد دوسرا حکم اس کا یہ ہے کہ) اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے ہوتے ہوئے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں (اور ان کا بوجھ تمہیں اٹھانا پڑے) تو بھی ان کی شان میں کوئی نامناسب اور ان کو آزردہ کرنے والا کلمہ نہ کہو بلکہ ان سے ادب واحترام والی بات ہی کہو اور دردمندی سے ان کے سامنے انکساری کے ساتھ نیچے بنے رہو اور ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہو کہ: اے پروردگار! میرے ان ماں باپ پر رحمت فرما (ان کو دنیا اور آخرت میں راحت اور عافیت دے) جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن کی حالت میں پالا (اور میری راحت وعافیت کی فکر کی۔) تمہارا رب تمہارے دلوں کی بات خوب جانتا ہے پس اگر تم ہو گئے لائق اور سعادت مند (اور دل سے ماں باپ کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کا ارادہ رکھنے والے لیکن اس کے باوجود تم سے ان کے ادب اور حسن سلوک کے بارے میں کوئی قصور ہو گیا اور تم نے اس کے بعد توبہ وتلافی کی) تو تمہارا پروردگار توبہ کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے اور (ماں باپ کے علاوہ بھی) اپنے سب قرابت داروں کا حق ادا کرو اور (قرابت کے دائرہ سے باہر بھی) عام حاجت مندوں اور (مدد کے مستحق) مسافروں کو بھی دیتے رہو اور (اللہ کے دیئے مال کو) بیجا نہ اڑاؤ اور بیجا اڑانے والے لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (لہٰذا تم ایسے نہ بنو) اور اگر (کبھی ایسی صورت ہو کہ تمہارا ہاتھ خالی ہو اور ان کی خدمت سے مجبوری ہو اور اس کی وجہ سے) تمہیں ان سے روگردانی کرنی پڑے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت کی تمہیں امید اور جستجو ہو تو (معذرت کے طور پر) ان سے نرم اور خوشگوار بات کہدو۔ ایسی بات اس وقت بھی نہ کہو جس سے ان کا دل دکھے۔ اور نہ تو ایسا کرو کہ اپنا ہاتھ (بالکل) اپنی گردن سے باندھ لو (کہ کسی کو کچھ دینے کے لئے ہاتھ بڑھ ہی نہ سکے جو بخیلوں اور کنجوسوں کا طریقہ ہے) اور نہ ایسا کرو کہ (فضول اڑانے والے ناعاقبت اندیشوں کی طرح) اپنا ہاتھ بالکل کھول ہی دو۔ اور پھر

اس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم بیٹھ جاؤ بالکل درماندہ ہو کر جس کو ہر طرف سے ملامت کی جائے۔(بہر حال افراط و تفریط سے بچو اور اعتدال و میانہ روی کو اپنا اصول و دستور بناؤ) تمہارا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے روزی میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، وہ اپنے سب بندوں کی پوری خبر رکھنے والا اور سب کو پوری طرح دیکھنے والا ہے۔(رزق کی کنجیاں تمہارے یا کسی دوسری مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ اس کے ہاتھ میں ہیں، وہی سب کی روزی کا کفیل ہے) اور تم پیدا ہونے والے اپنے بچوں کو افلاس و ناداری کے خطرہ سے ہلاک نہ کر ڈالو، ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تم کو بھی۔(اگر تم سمجھتے ہو کہ روزی کا مسئلہ تمہارے ہاتھ میں ہے تو تمہارا یہ خیال نہایت جاہلانہ اور بالکل کافرانہ ہے، بہر حال افلاس اور تنگی کے خطرہ سے)اپنے بچوں کو ہلاک کر ڈالنا بہت ہی بڑا گناہ ہے اور دیکھو زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، وہ بڑی بے حیائی کی اور گندی بات ہے اور بری راہ ہے اور مت قتل کرو کسی ایسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کی بنا پر (مثلاً قصاص میں یا کسی اور ایسے سنگین جرم کی پاداش میں جس کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل ہی مقرر ہے) اور جو کوئی ناحق مار ڈالا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص میں قاتل کی جان لینے کا) حق دیا ہے، پس اس کو قتل کے بارے میں حد شرعی سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے، بے شک وہ ہمدردی اور مدد کا مستحق ہے (لیکن اس کو اس کی اجازت ہر گز نہیں ہے کہ وہ جوش انتقام میں قصاص کی مقرر حد سے آگے بڑھے) اور یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ (اور ان کے مال کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ) الّا یہ کہ (ان کے فائدے کے لئے ان کے مال میں کوئی تصرف کرنا ضروری ہو جائے تو) اچھے طریقے سے (کر سکتے ہو اور وہ بھی صرف) اس وقت تک کہ یتیم اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔ اور اپنے عہد پورے کرو، عہد کی ضرور باز پرس ہو گی۔ اور جب کسی کو تم کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا ناپو اور (جب کوئی چیز تول کر کسی کو دینی ہو تو) ٹھیک ترازو سے تولو (لین دین میں دھوکے دھڑی کی کوئی بات نہ ہو،) یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام زیادہ اچھا ہے۔ اور جس بات کا تمہیں تحقیقی علم نہ ہو اس پر نہ چلو، (یعنی توہمات اور بے تحقیق باتوں کی پیروی نہ کرو اور ان کو بنیاد کار نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ نے علم و تحقیق کے جو ذریعے سب انسانوں کو دیئے ہیں یعنی)کان اور آنکھیں اور دل یقیناً (قیامت کے دن)ان سب کی بابت پوچھا جائے گا (کہ تم نے حق شناسی کی راہ میں ان سے کتنا کام لیا) اور زمین پر (متکبروں کی طرح)اتراتے اور اکڑتے نہ چلو (اپنی حقیقت کو نہ بھولو) نہ تو تم (اپنے زور قدم سے) زمین کو چیر پھاڑ سکتے ہو اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو یہ سارے برے کام تمہارے مالک کو

ناپسند ہیں۔ اے پیغمبر! یہ باتیں اس دفتر حکمت میں سے ہیں جو تمہارے رب نے تمہاری طرف وحی کیا ہے اور (اے انسانو! آخر میں پھر مکرر تاکید کی جاتی ہے کہ) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، (شرک وہ گناہ عظیم ہے کہ اگر اس سے تم آلودہ ہوئے) تو پس جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے اور پھر تم پر (ہر طرف سے) لعنت وملامت اور دھتکار ہو گی۔

سبحان اللہ! قرآن مجید کا یہ خطبہ احکام وہدایات کو کس قدر جامع ہے اور پھر طرز بیان کتنا سادہ اور اسی کے ساتھ کس قدر موثر ہے۔ بلاشبہ اگر ذوق سلیم نصیب ہو تو اس کی ہر آیت پڑھ کر دل گواہی دے گا کہ بے شک یہ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہی کا ہدایت نامہ ہے۔

امت مسلمہ کے خاص فرائض اور اس کا نصب العین

سورۃ الحج کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج: ۷۷ تا ۷۸)

ترجمہ: اے وہ لوگو! جنہوں نے دعوت ایمانی کو قبول کر لیا (اب تمہارے فرائض اور تمہارے کرنے کے خاص کام یہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے لئے) رکوع وسجود کرو، اور (ہر طرح سے) اپنے رب کی عبادت وبندگی کرو اور (اس کی مخلوق کے ساتھ) بھلائی کرو، تاکہ تم فلاح یاب اور بامراد ہو جاؤ! اور اللہ کی راہ میں خوب کوشش کرو، اور جان لڑاؤ جیسا کہ اس کی راہ میں کوشش اور جانبازی کا حق ہے، اس نے (اپنی خاص بندگی اور اپنی راہ کی جدوجہد کے لئے) تمہارا انتخاب کیا ہے اور دین میں تمہارے لئے اس نے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے (بلکہ بڑی وسعت اور کشادگی والا یہ دین ہے جو محمد رسول اللہ کے ذریعہ تم کو عطا کیا گیا ہے) وہی طریقہ تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے تمہارا نام رکھا "مسلمین" پہلے بھی اور اس (آخری کتاب قرآن) میں بھی، تاکہ رسول بتانے والا ہو تم کو، اور تم بتانے والے ہو (دنیا کے) اور سب لوگوں کو پس اے اہل ایمان! (ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے) تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو (اور اس کی کارسازی اور مددگاری پر بھروسہ کر کے جدوجہد کے میدان میں کود پڑو) وہ تمہارا والی اور کار

سازہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

سبحان اللہ! چھوٹی چھوٹی ان دو تین آیتوں میں امت مسلمہ کے نصب العین، اس کے مقصدِ وجود، اس کے منصب اور اس کے فرائض کو کیسی جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ صرف یہ دو آیتیں بھی امت کی اصولی رہنمائی کے لئے بالکل کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ قرآن مجید کے اس طرح کے ارشادات کی روشنی میں اپنے مقصد و نصب العین اور اپنے منصبی فرائض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کو ان ہدایات کے مطابق بنا کے اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کے مستحق ہوں، یہی ہے انسانوں کی حقیقی معراج۔

اپنے گناہگار بندوں کو اللہ کا بلاوا اور نہ ماننے والوں کا انجام

سورۂ زمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾ (الزمر: ۵۳ تا ۷۰)

ترجمہ: (اے پیغمبر! آپ میری طرف سے میرے بندوں سے) کہئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے! خدا کی رحمت سے تم (بھی) ناامید مت ہو (اور یہ خیال مت کرو کہ تمہاری بخشش نہیں ہو سکتی، اگر تم شرک و کفر اور بغاوت کی زندگی سے نکل آؤ اور توبہ کر لو تو بخشش کا دروازہ تمہارے لئے بھی کھلا ہوا ہے) اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے، وہ بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے (پس اگر اللہ کی بخشش چاہتے ہو تو توبہ کر لو) اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اس کی فرمانبرداری اختیار کر لو قبل اس کے کہ (کفر و شرک کی پاداش میں) تم پر عذاب آ جائے اور پھر کسی طرف سے تم کو کوئی مدد نہ مل سکے اور (بغاوت و معصیت کی زندگی چھوڑ کے) پیروی اختیار کر لو اس بہترین شریعت کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے قبل اس کے کہ اچانک تم پر عذاب آ پڑے اور تمہیں اس کا خیال بھی نہ ہو۔ اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ (کل قیامت میں تم میں سے) کوئی شخص (حسرت سے) کہے کہ ہائے افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب میں کی اور میں تو ہنسی مذاق ہی کرتا رہا۔ یا کوئی یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا، یا کوئی شخص (اس دن) عذاب الٰہی دیکھ کر کہنے لگے کاش! دنیا میں پھر مجھے ایک دفعہ جانا مل جاتا تو میں بڑے نیک بندوں میں سے ہو جاتا۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا) ہاں بیشک میری آیتیں تیرے پاس پہنچی تھیں تو تو نے ان کی تکذیب کی اور استکبار و غرور کا رویہ اختیار کیا اور تو کافروں میں ہی رہا۔ اور تم دیکھو گے قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے بالکل سیاہ (ہوں گے) جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ پر (مثلاً جنہوں نے اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال یا دوسرے جاہلانہ رسوم و خرافات کے بارہ میں کہا کہ ہمیں اللہ نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ایسے سب مفتریوں کے چہرے قیامت کے دن بالکل کالے ہوں گے اور ان پر لعنت برستی ہو گی) کیا ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے اور جن بندوں نے (کفر و معصیت کی زندگی چھوڑ کے) تقویٰ کو اپنا شعار بنایا، اللہ تعالیٰ ان کو پوری کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا، ان کو (ذرا بھی) تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہونگے۔ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اسی کے سپرد ہے، زمین و آسمان کی کنجیاں اسی کے اختیار میں ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کی باتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔ اے پیغمبر! آپ (ان مشرکوں سے) کہئے اے جاہلو! حقیقت ناشناسو! کیا تم مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کروں؟ اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کی طرف بھی اور آپ

سے پہلے جو پیغمبر بھیجے گئے ان سب کی طرف بھی وحی کے ذریعہ یہ پیغام ہدایت بھیجا جا چکا ہے کہ اے انسان! اگر تو نے شرک کیا تو تیرا سب کیا کرایا غارت ہو جائے گا اور تو بڑے خسارہ والو ں میں سے ہو جائے گا (پس ہر گز شرک کے پاس نہ جاؤ) بلکہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔ اور (افسوس!) انہوں نے خدا کی ویسی عظمت نہ کی جیسی عظمت اس کی کرنی چاہئے تھی، حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین (مشرق سے مغرب تک) قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہو گی اور تمام آسمان لپٹے لپٹائے اس کے خاص دست قدرت میں ہونگے، وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شرک سے اور جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ہوش اڑ جائیں گے (ہاں) مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا (ہوش میں رکھنا تو وہ ہوش کی حالت میں رہے گا) پھر (جب دوسری دفعہ (مردوں کے جلانے کے لئے) صور پھونکا جائے گا تو وہ نعرۃ سب کے سب (جی کے) اٹھ کھڑے ہوں گے (اور آنکھ پھاڑ پھاڑ کے حیرت سے ہر طرف) دیکھتے ہونگے اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا جائے گی اور سب کا نامہ اعمال (سامنے) رکھ دیا جائے گا۔ اور پیغمبر اور گواہ (دربار الٰہی میں) حاضر کئے جائیں گے اور سب کے مابین ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر ظلم بالکل نہ ہو گا اور جس نے جو کچھ کیا ہو گا اس کو اس کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا اور وہ احکم الحاکمین بندوں کے سارے اعمال وافعال کو خوب جانتا ہے۔

اللہ کی بات ماننے والوں اور اس کی راہ پر چلنے والوں کو بشارت

سورۂ حٰم سجدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿۳۲﴾ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾ وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۶﴾ (حٰم سجدہ: ۳۰ تا ۳۶)

ترجمہ: جن بندوں نے (دل سے) اقرار کر لیا کہ ہمارا رب بس اللہ ہے (اور ہم اس کی بندگی والی زندگی گزاریں گے) پھر وہ اس پر پوری طرح قائم رہے، نازل ہونگے ان پر فرشتے (یہ پیام لے کر) کہ نہ

کوئی اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو، (بلکہ مطمئن) اور خوش رہو اس جنت کے ملنے پر جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق اور سرپرست ہیں دنیوی زندگی میں اور آخرت میں اور اس آخرت میں تمہارے لئے وہ سب ہے جس کو تمہارے جی چاہیں گے اور وہاں تمہارے واسطے وہ سب کچھ مہیا ہے جو تم مانگو گے، خداوند غفور رحیم کی طرف سے یہ تمہاری مہمانی ہو گی۔ اور اس بندہ سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (اللہ کے بندوں کو) اللہ کی طرف بلاوے اور خود بھی نیکوکار اور خوش کردار ہو اور اعلان کرتا ہو کہ میں اللہ کے فرمانبردار بندوں میں شامل ہوں۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی (بلکہ ہر ایک کا اثر اور انجام جدا ہے، اس لئے آپ کو اور آپ کے متبعین کو ہدایت اور نصیحت کی جاتی ہے کہ دشمنوں کی دشمنی اور شرارت کا) آپ جواب دیجئے اپنے اچھے برتاؤ سے پس (اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ) تمہارے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہو گی (تمہارے اچھے برتاؤ سے متاثر ہو کر) وہ ایسا ہو جائے گا گویا کہ تمہارا دلی دوست ہے اور یہ بات ان ہی بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جن میں صبر کی صفت ہے اور اس کی توفیق بس ان ہی کو مل سکتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں اور اگر (ایسے وقت میں) شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ آنے لگے (مثلاً دل میں اشتعال اور انتقام کا جذبہ پیدا ہونے لگے) تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، (اس کی طرف سے تمہاری مدد اور دستگیری ہو گی اور شیطان کے وار سے تم محفوظ رہو گے۔)

اپنے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور سچی توبہ کر کے آخرت کی سرخروئی اور جنت حاصل کرو

سورۂ تحریم میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (التحریم: ۶ تا ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! خود اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آ

دمی اور پتھر ہیں، اس پر (خدا کی طرف سے وہ) فرشتے متعین ہیں جو بڑے سخت مزاج اور طاقتور ہیں، جو حکم اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہے وہ اس کی بالکل نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ملتا ہے۔ (قیامت کے اس دن میں کافروں، منکروں سے کہا جائے گا کہ) اے کافرو منکرو! آج تم کوئی عذر و معذرت پیش نہ کرو، آج تم کو تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا (لہٰذا جس کو اس انجام وعذاب سے بچنا ہو اس کو چاہئے کہ اس دنیا ہی میں کفر سے باز آجائے اور ایمان والی زندگی اختیار کرے) اے اہل ایمان! تم اللہ کے آگے توبہ کرو پوری مخلصانہ توبہ، امید رکھو کہ (سچی پر خلوص توبہ کے بعد) تمہارا پروردگار (تم پر خاص لطف و کرم فرمائے گا) تمہارے گناہ مٹا دیگا (یعنی معاف فرما دے گا) اور تم کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (اور یہ اس دن ہو گا) جس دن کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اور ان کے ساتھ والے اہل ایمان کو (پوری پوری سرخروئی عطا کرے گا اور بالکل) رسوا نہ کرے گا (وہاں ان کی شان یہ ہو گی کہ) ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنے دوڑتا ہو گا اور ان کی زبانوں پر یہ (الہامی) دعا ہو گی:

''رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' (التحریم: ۸)

اس آخری عنوان "قرآنی خطبات و مواعظ" کے تحت ہم نے دس مقامات کی جو آیات درج کی ہیں ان کی حیثیت بس "مشتے نمونہ از خروارے" کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں پچاسوں مقامات ایسے ہیں جن میں ان انسانوں کے لئے جن کے دل پتھر کے نہیں ہیں، موعظت و نصیحت کا پورا پورا سامان ہے خاص کر قرآن مجید کا آخری چوتھائی حصہ (یعنی سورۂ سبا سے لے کر آخر تک) تو مواعظ و خطبات ہی سے بھرا ہوا ہے اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ اگر آدمی کی فطرت سلیم ہو اور اس کو عربی زبان کا کچھ بھی ذوق ہو تو قرآن پاک کے خاص کر اس آخری تذکیری حصہ کے ہر ورق اور ہر صفحے کی تلاوت کے وقت اس کو اس تاثیر اور اس کیفیت کا تجربہ ہو گا جس کو قرآن مجید نے خود ہی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: ۲۳)

ترجمہ: جن بندوں میں کچھ خوف ہے، اس قرآن مجید (کے پڑھنے یا سننے) سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے قلوب (یعنی سارا ظاہر و باطن) نرم پڑ کر اللہ کی نصیحت اور اس کے پیغام کا تابع ہو جاتا ہے۔

جی چاہتا تھا کہ اس آخری عنوان کے تحت قرآن مجید کا کافی حصہ نقل کیا جائے لیکن اب کتاب کی ضخامت بہت کافی بڑھ چکی ہے اور یقین ہے کہ ایسے ایسے دس بیس مقامات اور نقل کرنے کے

بعد بھی یہ خواہش باقی ہی رہے گی، اس لئے بس اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آخری گزارش یہ ہے کہ ناظرین کرام اس پوری کتاب کو قرآن مجید کی دعوت و تعلیم اور مو عظت و نصیحت کا بس ایک نمونہ اور مختصر تعارف ہی سمجھیں، میں خدا کو گواہ بنا کے بہ قسم عرض کرتا ہوں (وکفیٰ بہ شھیداً) کہ میرا صرف عقید تمندانہ نہیں بلکہ بالکل حقیقت پسندانہ احساس واعتراف یہ ہے کہ ڈھائی سو صفحات کی اس کتاب میں قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو اصل قرآن پاک سے قطرہ اور دریا کی بھی نسبت نہیں ہے۔ پس چاہئے کہ اس قسم کی کوششوں کے ذریعہ قرآن پاک کی دعوت و تعلیم سے مناسبت پیدا کر کے آدمی اصل قرآن ہی سے وابستگی پیدا کرے، بلاشبہ قرآن پاک سے وابستگی اللہ تعالیٰ سے وابستگی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہم سب کے سینے کھول دے۔

وَالحَمدُ لِلّٰہِ اوّلاً وَاٰخراً